وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا

اور لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے، جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہیں (۳: ۹۷)

اشاعت نمبر ۲۹

سلسلہ تراجم نمبر ۱۵

مناسک حج

تالیف

شیخ الاسلام حضرت امام ابنِ تیمیہؒ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ

مترجمہ

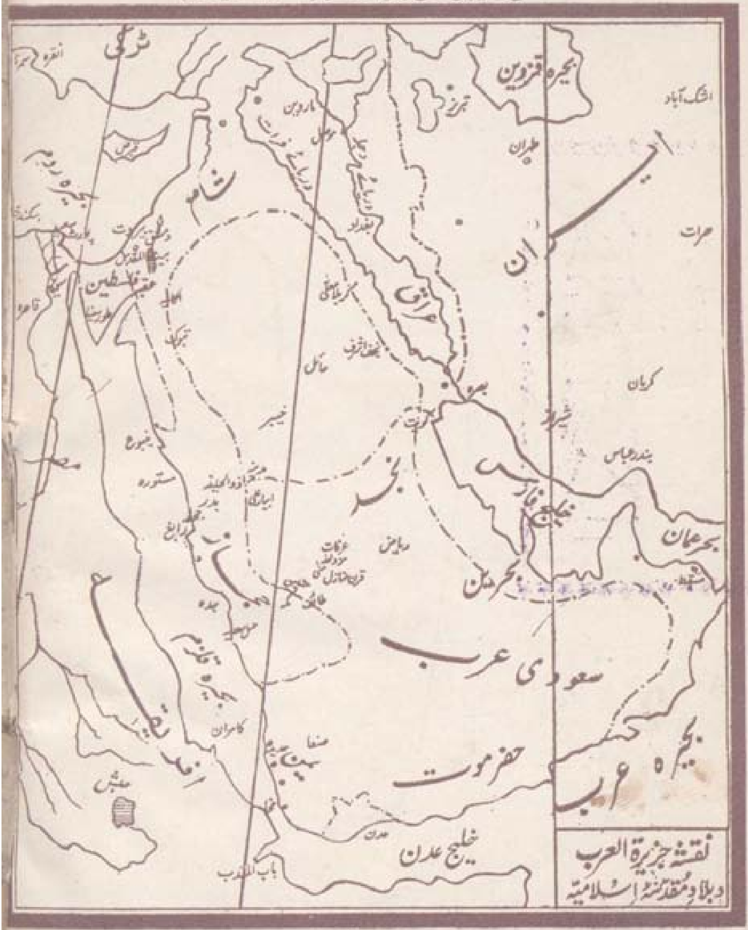
مولانا عبدالرحیم مرحوم ناظم مکتبہ علوم مشرقیہ دارالعلوم پشاور

پبلشرز

الھلال بک ایجنسی

AL-HILAL BOOK AGENCY

اخرجوا الیہود من جزیرۃ العرب (الحدیث)



نقشہ برائے مناسک حج

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا

اور لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہیں

اشاعت نمبر ۲۹

سلسلۂ تراجم نمبر ۱۵

مناسکِ حج

تالیف

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ الحرانی

و امام محمد بن اسمٰعیل معروف بہ امیر الصنعانی

مترجمہ

مولانا عبدالرحیم مرحوم ناظم مکتبہ علوم شرقیہ دارالعلوم پشاور

پبلشر

الہلال بک ایجنسی فاروق گنج لاہور

مالکان آفریدی برادرز

۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۶ء

تاجران کتب ناشرین سلسلۂ تراجم دار الارشاد والترجمہ

بار اول — تعداد یک ہزار — قیمت ڈھائی روپیہ

الهلال بک ایجنسی

2525
ابان ـ م

اشاعت

سنہ ۱۹۵۶ء یک ہزار

حافظ ابوبکر آفندی طابع و ناشر نے دین محمدی پریس لاہور سے
چھپوا کر دفتر الهلال بک ایجنسی لاہور سے شائع کیا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ از ناشر

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد:

حج، اسلام کا ایک رُکنِ اعظم ہے، جہاد فی سبیل اللہ کی طیاری اور اس کی بہترین مشق ہے۔ اِس فریضہ کی بجا آوری کے لئے مسلمان جوق جوق ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں اکنافِ عالم کے دُور دُور گوشوں اور دُنیائے اسلام کے دُور دراز ملکوں کا سفر طے کر کے ہر سال سرزمینِ حجاز جاتے اور عفو و درگذر کی بے شمار آرزوئیں لے کر مالکِ حقیقی کے دربار میں حاضری کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ اُسی ارضِ مقدس میں وہ اُم القریٰ شہر مکّہ بھی واقع ہے، جہاں خدا کا وہ سب سے پہلا گھر آباد کیا گیا۔ جسے خانۂ کعبہ، بیت اللہ، بیت العتیق، قبلہ و کعبہ وغیرہ مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا اور خدا پرستی کا معبد اور تمام انسانوں کے لئے سرچشمۂ ہدایت ہے۔ مرکزِ اوّلین و آخرین، موجبِ خیر و برکت اور رحمتِ الٰہی کا مورد و مہبط امن و حرمت کا مقام اور پیدائشِ آدمؑ سے نوعِ بشری کی گرد آوری کا عظیم الشان مرجع و ماویٰ چلا آتا ہے اور قیامت تک چلا جائیگا۔ کس قدر خوش نصیب اور خوش بخت وہ انسان ہیں جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت پاتے اور نوازشِ خداوندی سے سرفراز ہوتے ہیں!

اِس سفرِ مُبارک کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ہندوپاکستان میں تین بڑی بڑی بندرگاہیں ہیں : ملک بنگال، جاوا اور سماٹرا کے لوگ کلکتہ سے عازمِ سفر ہوتے ہیں، اور یہ سب سے لمبا سفر ہے۔ کیونکہ جنوبی ہند کے اوپر سے ہو کر جانا پڑتا ہے۔ قریب تر بندرگاہیں کراچی اور بمبئی ہیں۔ جن مقامات سے کراچی نزدیک ہے، وہاں کے لوگ کراچی سے اور جو بمبئی کے قریب ہیں، وہاں کے باشندے بمبئی سے رخت سفر باندھتے ہیں اور پھر مملکت حجاز کی مشہور بندرگاہ جدّہ کے راستہ مکّہ معظمہ پہنچ کر مناسکِ حج بجالاتے ہیں۔

عوام النّاس عربی زبان سے نابلد ہونے کے باعث اعمالِ حج اور اُن کے ادا کرنے کے طور طریقوں سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اِس لئے اُنہیں بڑی دقّت ہوتی ہے اور وہ اس مشکل میں پڑ جاتے ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں؟ پڑھے لکھے آدمیوں کے لئے تو احکامِ حج کی صحیح صحیح تفصیلات سے کتبِ احادیث بھری پڑی ہیں اور بعض علمائے اسلام نے اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی تالیف کی ہیں مگر اُردو زبان میں ایسی کوئی کتاب موجود نہیں، جس میں اختصار کے ساتھ وہ تمام ضروری باتیں مندرج ہوں، جن کے معلوم کرنے اور اُن پر عمل پیرا ہونے کی حجّاج کرام کو ضرورت ہے۔

اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ہم نے متقدمین میں سے حضرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا ایک رسالہ مناسکِ حج اور متاخرین میں سے

شیخ محمد بن اسمٰعیل بن صلاح الامیر الصنعانی ؒ کے رسالہ کا انتخاب کیا ہے ہر دو رسائل کا اردو ترجمہ یک جا کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے۔ جو حصولِ مقصد میں انشاء اللہ بے حد مفید ثابت ہوگا۔

شیخ الاسلام کی جلالتِ منصب سے کون شخص آگاہ نہیں؟ وہ علم کا ایک بحرِ ذخار ہیں، وہ مجتہدِ مطلق ہیں۔ علم کی وسیع سلطنت میں جس طرح چاہتے ہیں حکمرانی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ہیں، اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں میں سے ایک بڑا معجزہ ہیں، پہاڑ کی چوٹی پر روشن مینار ہیں، تاریک سمندر میں ہدایت کا ایک ستارہ ہیں اور امتِ محمدیہ کا فخر ہیں۔ اسی طرح حافظ محمد بن اسمٰعیل یمانی رحمہ اللہ تعالیٰ جو عام طور پر امیر الصنعانی یا امیر یمانی کے نام سے مشہور ہیں، وہ بھی اپنے زمانہ کے امام اور مجتہدِ عصر ہیں۔

ہر دو بزرگوں کے رسالہ جات کی اس معجونِ مرکب سے ایک خاص لطف اور دل نشینی پیدا ہو گئی ہے اور ایک بات پر دو شہادتیں مہیا ہو گئی ہیں۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ اعادہ اور تکرار معدوم نہیں ہوتا۔ ایک طرف دعوتِ عمل کا پروگرام ہے تو دوسری جانب یکسر پیکرِ تعمیل و کردار کی روئداد۔ ایک امر و حکم کی یکارو آواز ہے تو دوسری سراسر عمل و سرانجام دہی کا اسوہ و قدوہ۔

نیز ہم نے اس بات کی بھی کوشش کی ہے کہ ان تمام مقاماتِ مقدسہ کی نشان دہی دیدی جائے، جن سے حاجیوں کو اکثر واسطہ پڑتا ہے۔ اُن کا

صحیح صحیح محل وقوع نقشہ پر ظاہر کر کے بتا دیا جائے کہ مشہور جگہوں سے اُن کی مسافت اور دُوری کا کس قدر بُعد ہے۔ تاکہ حج کے مفروضہ اعمال بجالانے میں ادنے و اقاصی دونوں یکساں طور پر مستفید ہو سکیں اور احکام حج کی ادائیگی میں آسانی اور سہولت پیدا ہو جائے۔

بلاشبہ آپ محسوس کرینگے کہ اعمالِ حج کی بجا آوری کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں چھوڑی جس پر کتاب و سنّت سے سیر حاصل معلومات بہم پہنچا دی گئی ہوں۔ اس کتاب کی موجودگی میں آپ تمام دوسری چھوٹی بڑی کتابوں سے مستغنی ہو گئے ہیں، اور اس موضوع پر کسی بات کی مزید تلاش و جستجو کی حاجت باقی نہیں رہی۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس ناچیز سعی کو قبول فرمائے اور اس سلسلہ میں بیش از بیش خدمت گزاری کی توفیق بخشتے ہوئے شاد و کامران فرمائے۔

والحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین!

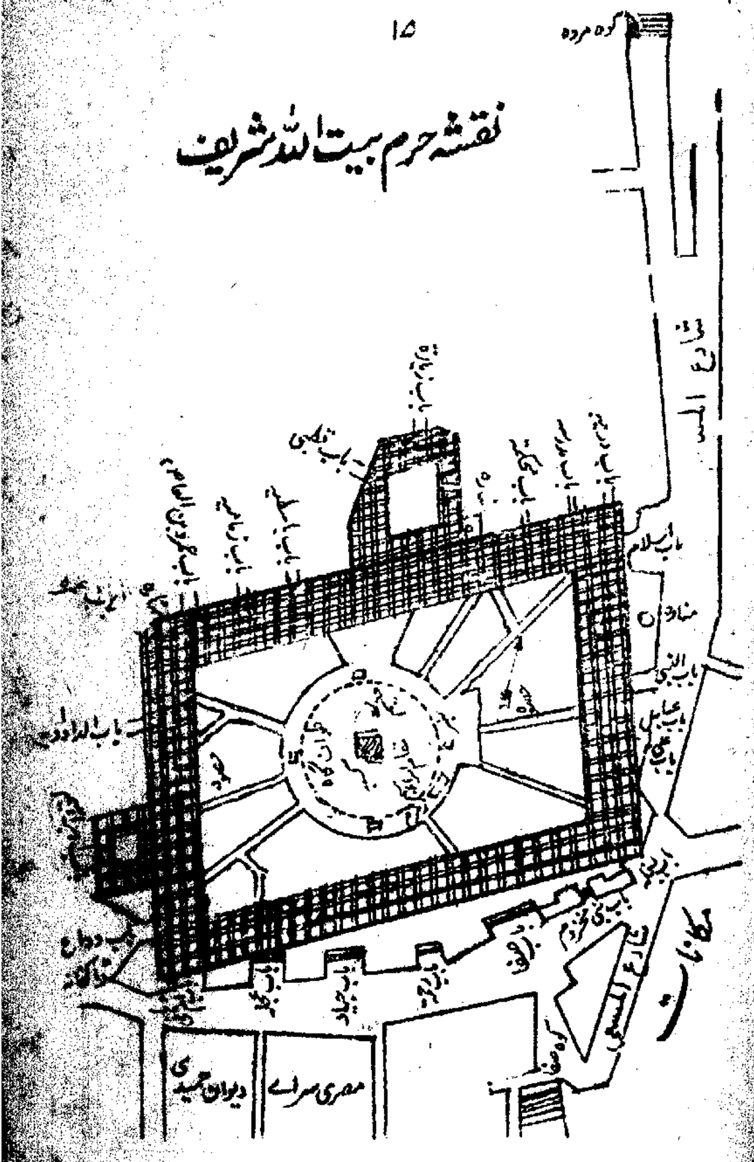
فقط والسلام مع الاکرام

محمد عبدالعزیز خاں
۲۰- جون ۱۹۵۱ء

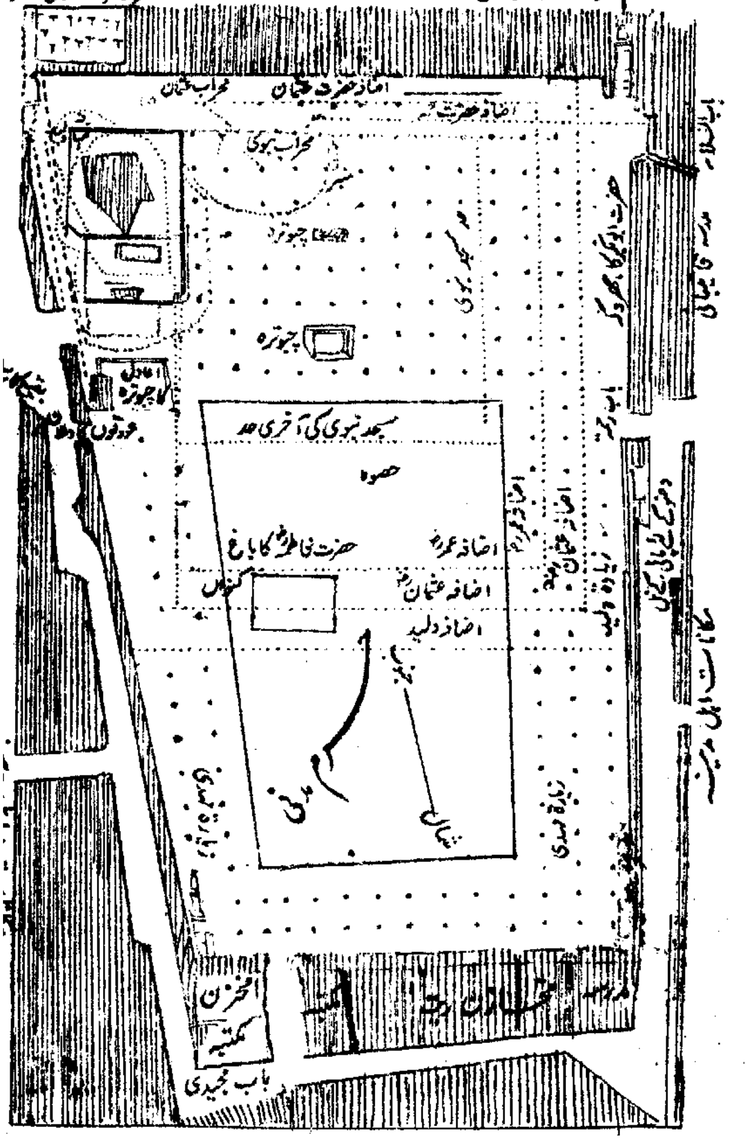
فہرس مضامین مناسک الحج از امام ابن تیمیہؒ

فہرس رسالہ مناسک الحج لامیر صنعانیؒ

نقشہ حرم بیت اللہ شریف



نقشہ حرم شریف مسجد نبویؐ



پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ مسنونہ شیخ الاسلام امام تقی الدین ابو العباس احمد بن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے پیغمبر اسلام کے مسنون طریقوں کی نشر و اشاعت کرنے والے امام ہیں اور بدعت اور خلاف شرع طریقوں کی بیخکنی کرنے والے عالم بے بدل ہیں، وہ ارشاد فرماتے ہیں:

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستھدیہ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھد اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا۔ اما بعد

وجہ تالیف مجھ سے بہت سے مسلمانوں نے یہ درخواست کی کہ میں کوئی ایسی کتاب لکھوں جس میں ان مناسک حج (حج بیت اللہ ادا کرنے کے طریقوں) کا بیان ہو، جن کی حاجیوں کو بسا اوقات ضرورت ہوتی ہے اور وہ کتاب ایسی ہو جس میں حج بیت اللہ شریف کے متعلق تمام ضروری مسائل مختصر طریقہ پر درج ہوں۔

میں نے اپنی اوائل عمر میں اسی قسم کا ایک رسالہ لکھا تھا جس میں بہت سی دعائیں درج تھیں اور مسائل و احکام کے بیان کرنے میں علماء متقدمین کی تقلید کی تھی۔ لیکن اب کے میں نے اس رسالہ میں اختصار کے ساتھ وہی باتیں لکھی ہیں، جن کا رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہونا میرے نزدیک ثابت و مسلم ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

فصل

میقات اور اقسام حج

ارادہ اور دخول

جو شخص حج اور عمرہ کا ارادہ کرے، تو ضروری ہے کہ ان کے لئے سب سے پہلے احرام باندھے۔ فقط ارادہ رکھنے سے آدمی حج یا عمرہ میں داخل نہیں ہو سکتا اور نہ محرم بن سکتا ہے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ ایک شخص جمعہ کی نماز ادا کرنے کا ارادہ کر کے گھر سے نکلتا ہے تو وہ اس وقت تک نماز میں داخل نہیں سمجھا جاتا، جب تک کہ وہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز کے افعال بجا لانا شروع نہ کر دے۔ یہ اور بات ہے کہ گھر سے نکلتے ہی وہ جمعہ کے لئے سعی کرنے کی وجہ سے اجر و ثواب کا مستحق ضرور ہو جاتا ہے۔[1]

---

[1] اسی طرح جو شخص حج یا عمرہ کی غرض سے اپنا گھر بار چھوڑ کر روانہ ہوتا ہے، تو اس کے اجر و ثواب کا سلسلہ اسی وقت سے شروع ہو جاتا ہے۔

جب میقات پر پہنچ جائے تو پھر حج یا عمرہ کے لئے احرام باندھنا لازمی ہے۔

میقات خمسہ مکہ شریف کے چاروں طرف شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسی جگہیں مقرر کر دی ہیں، جہاں سے احرام باندھے بغیر آدمی آگے نہیں جا سکتا۔ ایسی جگہوں کو میقات کہتے ہیں اور وہ پانچ ہیں:-

(۱) ذوالحلیفہ (۲) جحفہ (۳) قرن المنازل (۴) یلملم (۵) ذات عرق۔

ان میقاتوں کو مقرر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

هُنَّ لِاَهْلِهِنَّ وَلِمَنْ مَرَّ عَلَيْهِنَّ۔	یہ میقات اُن لوگوں کے لئے ہیں جو ان مقامات کے پاس رہتے ہیں یا جن کا گزر اس راستہ سے ہو، ان کے لئے بھی یہی میقات ہیں۔

یعنی انہی مقامات سے حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر آگے جائیں۔ لیکن جو لوگ ان مقامات سے مکہ شریف کی طرف رہتے ہیں، وہ اپنے گھر سے ہی احرام باندھ سکتے ہیں، حتی کہ اہل مکہ مکہ شریف سے ہی احرام باندھ سکتے ہیں[۲]

میقات مدینہ ذوالحلیفہ[۱] سب میقاتوں کی نسبت مکہ معظمہ سے زیادہ دور فاصلے پر واقع ہے۔ اس کے اور مکہ شریف کے درمیان دس دن

---

[۲] ان کے لئے ضروری نہیں کہ میقات ہی سے حج یا عمرہ کا احرام باندھیں۔

[۱] ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے پانچ میل بجانب جنوب مکہ کے راستہ پر ہے مکہ یہاں سے ۲۹۵ میل کے قریب ہے۔ اہل مدینہ اور اس راستہ سے آنے والے حاجی یہاں احرام باندھتے ہیں۔ بقیہ

کا راستہ ہے، چونکہ یہاں سے مکہ شریف کو مختلف راستے جاتے ہیں اس لئے بعض اوقات اس سے بھی زیادہ اور بعض اوقات اس سے کم ایام مکہ شریف پہنچنے میں صرف ہوتے ہیں۔ جہاں یہ مقام واقع ہے اس کو وادی عقیق کہتے ہیں اور وہاں پر جو مسجد ہے وہ مسجد شجرہ کے نام سے مشہور ہے اس مقام پر ایک کنواں ہے جس کو عام لوگ جہالت کی وجہ سے بیئر علی[۲] (حضرت علی کا کنواں) کہتے ہیں۔ اس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ان جنوں کے ساتھ لڑائی کی تھی جو اس کنویں کے اندر رہتے تھے۔ یہ کہانی محض غلط اور جاہلوں کی دروغ بافی کا نتیجہ ہے۔ جنوں کے ساتھ صحابہؓ میں سے کسی نے بھی لڑائی نہیں کی، اور حضرت علیؓ کی شان تو اس سے کہیں اعلیٰ اور ارفع ہے کہ آپ کے مقابلہ میں جنوں کی صف آرائی ثابت کی جائے۔ اس کنویں میں کوئی خاص فضیلت نہیں اور نہ ہی اس کو برا سمجھا جا سکتا ہے، دوسرے کنوؤں کی طرح ایک کنواں ہے۔ یہ بھی مستحب نہیں نہ کوئی پتھر یا دوسری چیز اس میں پھینکی جائے۔ (یہ جاہلوں کی بنائی ہوئی بات ہے)

اہل مغرب کا میقات

جحفہ[۱] اور مکہ شریف کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔ یہ بستی ایک زمانہ میں خوب آباد تھی اور راس کا شہر

(نوٹ بقیہ صفحہ ۱۹) اونٹوں کے ذریعے دس دن کا سفر ہے اور موٹر لاری کے ذریعے تو صرف ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ عام طور پر یہ مقام آجکل بئر علی یا ابیار علی کے نام سے مشہور ہے۔

[۱] جحفہ بندرگاہ رابغ کے قریب ایک غیر آباد جگہ ہے چونکہ سے قریباً ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پہ ہے۔ شمال کی طرف سے جس قدر حاجی مصر و شام وغیرہ ممالک سے خشکی کے

نام مہیعہ تھا لیکن اب وہ ویران پڑی ہے۔ اس لئے عام طور پر لوگ اس مقام تک پہنچنے سے پہلے رابغ کے مقام پر احرام باندھ لیتے ہیں۔ یہ میقات ان لوگوں کے لئے ہے جو مغرب کی طرف سے آئیں مثلاً اہلِ شام اور اہلِ مصر و دیارِ مغرب کے باشندے۔ لیکن اگر یہی لوگ مدینہ منورہ کے راستہ سے آئیں، جیسے کہ عام طور پر لوگ آجکل اسی راستہ سے آتے ہیں تو پھر ان کے لئے اہلِ مدینہ کے میقات (ذوالحلیفہ) سے احرام باندھنا مستحب ہے۔ اس پر اہلِ علم کا اتفاق ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص وہاں سے احرام نہ باندھے اور اس سے گزر کر حجفہ کے مقام سے احرام باندھے تو اس کے متعلق علمائے کرام کا اختلاف ہے۔

بقیہ میقاتِ ثلاثہ[۱]

باقی ماندہ تینوں میقات مکہ شریف سے دو منزل کے فاصلہ پر ہیں۔ جو شخص حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہے اس کے لئے بغیر احرام کے میقات سے آگے جانا جائز نہیں۔ البتہ اگر

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۰) راستے آتے ہیں یا بحری راستہ بحیرۂ قلزم سے رابغ کے مقام پر لنگر انداز ہوتے ہیں، وہ سب اسی جگہ سے احرام باندھتے ہیں۔

[۱] تیسرا میقات قرن منازل ہے، اسے آجکل وادی محرم کہتے ہیں۔ یہ مکہ معظمہ سے ساٹھ میل بجانب مشرق جبل قرہ نامی پہاڑ پر واقع ہے، جہاں ایک گاؤں آباد ہے۔ اس کے جنوب میں طائف اور شمال میں شہر ضیمہ ہے۔ نجد کے حاجی عموماً اسی راستے حج بیت اللہ کے لئے آتے جاتے ہیں اور اس طرف سے آنے والے تمام حاجیوں کا میقات ہے۔ ضیمہ کو آجکل زیمہ لکھتے ہیں اور قرہ کو کری لکھتے ہیں۔

کوئی شخص مکہ شریف کو تجارت کے لئے یا کسی سے ملاقات کرنے کے لئے جاتا ہو تو اس کے حق میں احرام کے واجب اور لازم ہونے میں علماء کا اختلاف ہے لیکن بہرحال افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ احرام باندھ کر آگے جائے۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۱) چوتھا میقات ذاتِ عرق ہے جو مکہ معظمہ سے ستتر میل کے قریب وادی محرم اور شہر ضیمہ کے شمال میں واقع ہے۔ ایران و عراق اور شمال مشرق سے جس قدر زائرین بیت اللہ براستہ بغداد داخل آتے ہیں وہ اسی راستے سے آتے ہیں اور اس جگہ پہنچ کر احرام باندھتے ہیں۔ یہ اُن کا میقات ہے۔

پانچواں میقات یلملم ہے۔ یہ پُرانا نام ہے اور آج کل سعدیہ کے نام سے مشہور ہے۔ ایک گول پہاڑ ہے جو سطح سمندر سے دو ہزار فٹ بلند ہے اور مکہ معظمہ سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر یمن جنوب میں واقع ہے اور اہلِ یمن اسی راستہ سے آتے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ مقام ملکِ حجاز کے اندر واقع ہے لیکن ہندوستان، چین اور جاوا تمام ممالک کے جس قدر حاجی بحری راستہ سے آتے ہیں، سب کا میقات یہی مقام ہے جب جہاز سمندر میں اس مقام کے محاذات میں مرقات کے قریب پہنچتا ہے تو کپتانِ جہاز اعلان کر دیتا ہے اور سب حاجی اپنا اپنا احرام باندھ کر محرم ہو جاتے ہیں اس مقام سے جدہ ۵۰ میل رہ جاتا ہے۔ ہوائی جہاز کے ذریعے سفر کرنے والے حجاج کو اسی جگہ کے محاذات میں احرام باندھنا چاہیے اگر ایئر ڈروم جدہ میں اُترنے کے ساتھ ہی احرام باندھ لیں، تو بھی جائز ہے۔ (ناشر)

تمتع ، قران وحج مفرد

جو شخص حج کے مہینوں[1] میں میقات سے گزرنے لگے اور احرام باندھنے لگے تو اس کو تین باتوں میں اختیار ہے کہ وہ تمتع یا قران یا حج مفرد کا احرام باندھ لے:۔

(۱) اگر چاہے تو عمرہ کا احرام باندھ لے اور جب عمرہ کے ارکان سے فارغ ہو تو سر منڈا کر اپنے آپ کو حلال کر دے اور اس کے بعد از سر نو حج کا احرام باندھ لے۔ ایسا کرنے کو تمتع کہتے ہیں۔

(۲) اور اگر چاہے تو حج اور عمرہ دونوں کے لئے بیک وقت احرام باندھ لے یا یہ کہ عمرہ کا احرام باندھے اور ابھی عمرہ کے لئے طواف نہ کیا ہو کہ حج کا بھی احرام باندھ لے۔ اس کا نام قران ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ اور کلام صحابہؓ کا گہرا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ قران بھی تمتع کے مفہوم میں داخل ہے (اور ایسا کرنے کو تمتع کو بھی سکتے ہیں)

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ اگر آدمی چاہے تو صرف حج کا احرام باندھے۔ اسی کو افراد یا حج مفرد کہتے ہیں۔

---

[1] اشہر الحج یعنی حج کے مہینے چار ہیں:
شوال۔ ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا کچھ حصہ۔

فصل ۲

آدابِ حج و عُمرہ

افضل ترین حج

اس میں اہلِ علم کا اختلاف ہے کہ ان تینوں صورتوں میں سے کونسی صورت افضل ہے۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ حاجی کی مختلف حالتوں کے لحاظ سے اس کا جواب بھی مختلف ہوسکتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص عمرہ بجالانے کے لئے مستقل سفر کرے اور پھر حج ادا کرنے کے لئے دوسرا مستقل سفر کرے' یا حج کے مہینے شروع ہونے سے پہلے مکہ شریف میں پہنچ جائے اور عمرہ کرکے وہاں ٹھہر جائے۔ حج کے دن آئیں تو حج کا احرام باندھ کر حج کے مناسک بجالائے۔ تو یہ صورت اگرچہ بظاہر افراد ہے' لیکن چاروں ائمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ ایسا کرنا سب سے بہتر ہے

جب تک حج کے مہینے شروع نہ ہوں' احرام باندھنا خلافِ سنّت ہے بلکہ مکروہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ایسی حالت میں حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے تو وہ مُحرِم تصور ہوگا یا نہ ؟ اس کے متعلق علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ اگر کوئی شخص اس طرح کرے جس طرح کہ اکثر لوگ کرتے ہیں کہ حج اور عمرہ کے لئے ایک ہی مرتبہ سفر کرے (دونوں کے لئے الگ الگ اور مستقل سفر نہ ہو) اور مکہ شریف میں اس وقت پہنچے جبکہ حج کے

مہینے شروع ہو چکے ہوں، تو ایسے شخص کے پاس اگر قربانی ہے یعنی احرام باندھنے سے پہلے قربانی اس کے ساتھ ہے تو اس کے لئے قران افضل ہے۔ برخلاف اس کے اگر قربانی اس کے ساتھ نہیں تو اس کے حق میں افضل یہ ہے کہ عمرہ کے افعال بجالا کر احرام سے نکل آئے (اور حج کے لئے ترویہ کے دن آٹھویں ذوالحجہ کو از سر نو احرام باندھے)۔

حجۃ الوداع اور اسوۂ نبوی

اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل مستفیض کے ساتھ (جو متواتر کے قریب ہے) یہ ثابت ہے اور سب اہل علم بالحدیث نے اس روایت کی صحت کو تسلیم کیا ہے کہ جب آنحضرت صلعم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ آخری حج، جس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں، ادا کرنے کے لئے تشریف فرما ہوئے تو آپؐ نے صحابہ کرام سے جو آپؐ کے ہم رکاب تھے، یہ ارشاد فرمایا کہ:

ان یحلوا من احرامھم ویجعلوھا عمرۃ الا من ساق الھدی فانہ امرہ ان یبقی علی احرامہ حتی یبلغ الھدی محلہ یوم النحر۔	وہ سب کے سب جن کے ساتھ قربانی نہ ہو اپنا احرام کھول کر اس کو عمرہ بنا لیں۔ البتہ جن کے ساتھ قربانی ہے وہ جب تک بقر عید کے دن قربانی نہ کریں محرم ہی رہیں گے۔

خود آنحضرت صلعم اور بعض صحابہ کرام قربانیاں ساتھ لائے تھے اس لئے آپؐ نے حج اور عمرہ کو ملادیا (بیچ میں احرام نہیں کھولا) اور زبان سے یہ الفاظ لائے:

لبیک عمرۃً وحجاً	میں نے عمرہ اور حج دونوں کی نیت کی۔

عمرہ بعد از حج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو صحابہؓ اس سفرِ حج میں شامل ہوئے تھے، اُن میں سے سوائے حضرت عائشہؓ کے اور کسی نے بھی حج کے بعد عمرہ نہیں کیا۔ حضرت عائشہؓ کے عمرہ بعد از حج کی وجہ یہ تھی کہ ماہواری ایام شروع ہو جانے کے باعث وہ طواف سے محروم رہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ:

تقضی الحائض المناسك كلها الا الطواف بالبيت۔	جو عورت ماہواری ایام سے ہو وہ سوائے طواف کے دوسرے مناسکِ حج بجا لا سکتی ہے

اس لئے حضرت عائشہؓ کو آپؐ نے احرام باندھتے وقت ارشاد فرمایا:

تهلى بالحج وتدع افعال العمرة۔	حج کا احرام باندھ لے اور عمرہ کو ترک کر دے۔

دراصل اُن کی نیت تمتع کی تھی، بنابریں انہوں نے آنحضرت صلعم سے درخواست کی کہ اُن کو عمرہ کرا دیں۔ چنانچہ آپؐ نے ان کو اُن کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے ساتھ مقامِ تنعیم[1] کو بھیج دیا۔ جہاں سے انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا اور عمرہ کے افعال بجا لائیں۔

مساجد حضرت عائشہؓ

تنعیم حرمِ مکہ کے باہر سب سے قریب ترین جگہ ہے۔ اس مقام پر آجکل چند مسجدیں ہیں جن کو مساجدِ عائشہؓ کہتے ہیں۔ یہ مسجدیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نہیں تھیں

---

[1] مقامِ تنعیم، مکہ معظمہ کے شمال مغرب میں تین میل کے فاصلہ پر حدیبیہ اور جدہ کے راستہ پر واقع ہے اور اہلِ مکہ عام طور پر عمرہ کا احرام اسی جگہ سے باندھتے ہیں۔

بعد میں بنائی گئی ہیں اور وہ اس جگہ کی یادگار ہیں جہاں سے حضرت عائشہ نے احرام باندھا تھا۔ اگر کوئی شخص جس نے احرام باندھ رکھا ہو، اس مقام کے پاس سے گزرے[1] اس کے لئے نہ تو یہ فرض ہے اور نہ ہی سنت اور مستحب ہے کہ ان مساجد میں داخل ہو یا ان میں نماز پڑھے، بلکہ اگر اپنے فعل کو مستحب سمجھ کر ایسا کرے تو اس کا یہ عمل مکروہ اور بدعت ہے لیکن اگر کوئی مکہ شریف سے وہاں اس لئے جائے کہ مقام تنعیم سے احرام باندھ کر عمرہ کے افعال بجالائے اور احرام کا دوگانہ مسجد عائشہؓ میں ادا کرے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

عمرۃ الاسلام سے خارج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عہد میں کوئی بھی مکہ شریف سے نکل کر عمرہ کرنے کی غرض سے باہر نہیں جاتا تھا۔ قطع نظر اس سے کہ وہ رمضان کا مہینہ ہو یا کوئی اور مہینہ۔ ہاں عذر کی بات اور ہے۔ جو لوگ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، ان میں سے کسی نے بھی سوائے حضرت عائشہؓ کے حج کے بعد عمرہ نہیں کیا۔ خلفاء راشدین نے بھی ایسا نہیں کیا۔ بعض صحابہؓ نے البتہ اس بات کو مستحب سمجھا ہے کہ ایک سفر میں حج کیا جائے اور دوسرے سفر میں عمرہ بجالائے۔ برخلاف اس کے اس بات کو مستحب نہیں بتایا کہ آدمی حج کرکے اس کے بعد مکہ شریف ہی میں رہ کر عمرہ کرے۔ صحابہ کرام ایسا ہرگز نہیں کرتے تھے

---

[1] کیونکہ مکہ اور مدینہ کے درمیان قافلہ کا ایک راستہ اس کے پاس ہی سے گزرتا ہے۔

شاذونادر کسی نے کیا ہو تو کیا ہو۔ جو شخص حج کے بعد عمرہ کرتا ہے، اس کے متعلق اہلِ علم کا اختلاف ہے کہ اس کو تمتع سمجھا جائیگا یا نہیں، اور اس پر قربانی کرنا واجب ہے کہ نہیں! نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس کا یہ عمرہ "عمرۃ الاسلام" کہلانے کا مستحق ہے یا نہیں؟

بعد از ہجرت عمرہ ہائے نبوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد چار عمرے کئے ہیں:

(۱) عمرۂ حدیبیہ[1] ۔ حدیبیہ ایک جگہ کا نام ہے جو جبلِ تنعیم کے پیچھے واقع ہے۔ جب تمہارا رخ مدینہ کی طرف ہو تو یہ پہاڑ مساجدِ عائشہ کے قریب تمہارے دائیں طرف ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے عمرہ کے ارادہ سے نکلے تھے لیکن جب اس جگہ پر پہنچے، تو مشرکوں نے آپ کو آگے جانے سے روک دیا۔ آپ نے ان کے ساتھ صلح کی (اور شرائطِ صلح کو ایک عہد نامہ میں لکھا) جس کے بعد آپ نے احرام کھول دیا اور مدینہ کو واپس ہوئے۔

(۲) عمرۃ القضا۔ یہ اسی عمرہ کی قضا تھی جس سے آپ کو حدیبیہ کے مقام پر روکا گیا۔ یہ عمرہ آپ نے شرائطِ صلح کے مطابق دوسرے سال کیا۔

(۳) عمرۂ جعرانہ[2] ۔ آپ نے حنین کے مشرکوں سے یہیں لڑائی کی

---

[1] کتب سیر نیز صحیح بخاری میں اس کا مفصل قصہ لکھا ہے۔ بہت ہی معنی خیز ہے اور اس میں کئی ایک درسِ عبرت پنہاں ہیں۔

[2] جعرانہ وہ مقام ہے جہاں حضور صلعم نے غزوۂ حنین کا مالِ غنیمت تقسیم فرمایا۔

یہ جگہ طائف ہے (جو حجاز کا مشہور ہل سٹیشن اور صحت افزا مقام ہے) مشرق کی طرف واقع ہے۔ برخلاف اسکے مقام بدر جہاں ایک اور مشہور لڑائی ہوئی ہے، مکہ شریف اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے۔ ان دونوں لڑائیوں کے درمیان چھ سال کا وقفہ تھا۔ لیکن ان دونوں لڑائیوں کو ایک ساتھ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ہر دو غزوات میں مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتے نازل فرمائے۔ غزوہ حنین کے بعد آپ نے طائف کا محاصرہ فرمایا اور طائف کے قلعوں کو فتح کرکے مراجعت فرما ہوئے تو جعرانہ کے مقام پر وہ اموالِ غنیمت تقسیم فرمائے جو حنین کی لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھ آئے تھے۔ جب وہاں سے مکہ شریف آنے لگے تو (راستہ میں) عمرہ کا احرام باندھ لیا۔ مکہ سے نکل کر اور تنعیم جا کر احرام نہیں باندھا۔

(۴) چوتھا عمرہ آپؐ کا وہ ہے جو آپؐ نے حج کے ساتھ کیا۔ جو اہلِ علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کو جانتے ہیں، نیز جملہ صحابہؓ کا اس پر اتفاق ہے کہ آپؐ نے عمرہ اور حج کو قران کے طور پر ادا کیا۔ کسی صحابی سے یہ منقول نہیں کہ آپؐ نے وہ تمتع کی ہے جس میں کہ آدمی عمرہ کے افعال بجالا کر احرام کھول دیتا ہے (اور پھر از سرِ نو حج کا احرام باندھتا ہے)۔ دراصل یہ لوگ (صحابہؓ) قران پر بھی تمتع کا اطلاق کیا کرتے تھے۔

تمتع اور قران یہ بھی کسی صحابی سے منقول نہیں کہ جب آپ نے قران کیا تو آپ نے دو مرتبہ طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان دو بار سعی کی۔ جن صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی کیفیت نقل کی ہے، اس میں کچھ بھی اختلاف نہیں۔ اشتباہ صرف اُن لوگوں کو ہوا ہے جنہوں نے ان کے قول کا مطلب نہیں سمجھا تمام وہ صحابہ جنہوں نے یہ کہا ہے کہ آنحضرت صلعم نے حج مفرد کیا مثلاً حضرت عائشہؓ، ابن عمرؓ اور جابر بن عبداللہ وغیرہ، تو ان سب نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ نے تمتع کیا۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں حضرت عائشہؓ اور ابنِ عمرؓ سے یہ روایت موجود ہے کہ آپ نے تمتع کیا اس روایت کی اسناد اس روایت کی سند سے زیادہ صحیح اور معتبر ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ نے افراد کیا۔ جس طرح کہ صحاح (کتب صحیحہ حدیث) میں ثابت ہے، ان لوگوں کی مراد تمتع سے قران ہے۔

فصل ۳

نیّت اور مُحرم کا حکم

نیّتِ احرام جب آدمی احرام باندھنے لگے تو اگر اس کا ارادہ قران کرنے کا ہے تو یہ الفاظ زبان پر لائے: لبّیکَ عُمرۃً

وجہًا۔ اگر تمتع کرنا چاہتا ہے تو کہے: لبّیک عمرۃً۔ اور اگر افراد کرنا منظور ہے تو کہے: لبّیک حجۃً۔ یا بجائے ان کے یہ الفاظ کہے:

(۱) اللّٰھم انی قد اوجبت عمرۃً وحجاً۔	بارخدایا! میں عمرہ اور حج کو اپنے اوپر لازم کرتا ہوں۔
(۲) اللّٰھم انی اوجبت عمرۃ اتمتع بھا الی الحج۔	بارخدایا! میں نے اپنے اوپر عمرہ کو واجب کیا جس کے ذریعے حج تک فائدہ اٹھاتا ہوں۔
(۳) اللّٰھم انی اوجبت حجا یا یہ کہ: ارید الحج۔	بارخدایا! میں نے حج کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا (یا) میں حج کرنا چاہتا ہوں۔

قران اور تمتع کے لئے بالترتیب یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ بارخدایا! میں عمرہ اور حج دونوں کو بجا لانا چاہتا ہوں۔ یا عمرہ بجا لا کر حج تک اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ ان الفاظ میں سے کوئی عبارت اپنے لئے پسند کر کے کہہ دے تو کچھ حرج نہیں۔ ائمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے۔

زبان سے کچھ کہنے کی حاجت کوئی مخصوص عبارت احرام باندھنے کے لئے نہیں ہے کہ جس کے بغیر احرام نہ باندھا جا سکے۔ ائمہ فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ کوئی معین عبارت اس موقع پر کہنا ضروری نہیں۔ جیسے کہ ائمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے۔

لے یہ الفاظ بالترتیب پہلے کے مذکورہ الفاظ کی بجائے قران اور تمتع اور افراد حج کے لئے ہیں۔

کیونکہ اور نماز اور روزہ کی نیت باندھنے کے لئے نیت کے الفاظ کا زبان سے کہنا ضروری نہیں۔[1]

جملہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جب آدمی احرام باندھنے کا قصد کرکے لبیک کہہ دے تو وہ محرم ہو جاتا ہے۔ یہ کچھ ضروری نہیں کہ لبیک کہنے سے پہلے اور کچھ بھی زبان سے کہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے: کہ زبان سے کچھ کہنا مستحب بھی ہے یا نہیں ا جیسے کہ نماز کی نیت کے متعلق بھی یہی اختلاف ہے۔ یقیناً صحیح بات یہ ہے کہ زبان سے کچھ کہنا مستحب نہیں ہے۔ اس کی سب سے زبردست دلیل یہ ہے: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (نیت کے الفاظ زبان سے کہنے

---

[1] آج کل معلّمین اس طرح پر ہر ایک حاجی سے نیت کراتے ہیں:-

نیتِ عمرہ:

اللّٰھم انی أرید العمرۃ فیسّرھا لی وتقبّلھا منی۔	یا اللہ! میں نے عمرہ کی نیت کی، میرے لئے اس کو آسان کردے اور اسے قبول فرما۔

نیتِ حج:

اللّٰھم انی أرید الحج فیسّرہ لی وتقبّلہ منی۔	یا اللہ! میں نے حج کی نیت کی، میرے لئے آسان کردے اور مجھ سے قبول فرما۔

نیتِ قران:-

اللّٰھم انی أریدالحج والعمرۃ فیسّرھا وتقبلھما منی۔	یا اللہ! میں نے حج اور عمرہ کا ارادہ کیا ہے اسے میرے لئے آسان کردے اور مجھ سے قبول فرما۔

کو مسلمانوں کے لئے مشروع نہیں فرمایا؟ لہٰذا تکبیرِ تحریمہ یعنی تکبیر اولیٰ کہنے سے پہلے آنحضرت صلعم اور آپؐ کے صحابہ کرام زبان سے کچھ بھی نہیں کہتے تھے بلکہ جس وقت آنحضرتؐ نے ضباعہ بنت زبیر سے حج کے لئے شرط مقرر کرنے کے لئے ارشاد فرمایا تو آپ نے یہی فرمایا کہ کہو: لبیک اللھم لبیک ومحلی من الارض حیث تحبسنی۔ (یا خدایا! تو جہاں کہیں بھی مجھ کو روک لیگا، میں وہیں حلال ہو جاؤں گی۔

صحیح الاسناد روایت کتب سنن میں یہ روایت موجود ہے اور ترمذیؒ کا اس کے متعلق یہ قول ہے کہ یہ صحیح الاسناد روایت ہے۔ نسائی میں یہ روایت ان الفاظ میں آئی ہے کہ ضباعہؓ نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا، میرا ارادہ حج کرنے کا ہے تو میں کیا کہوں؟ آپؐ نے فرمایا کہو

لبیک اللھم لبیک ومحلی من الارض حیث تحبسنی فان لک علی ربک ما استثنیت۔	یا خدایا! جہاں کہیں تو مجھ کو روک لیگا (اور حج کا کوئی مانع پیش آ جائیگا) تو میں وہیں حلال ہو جاؤں گی کیونکہ تم پر تمہارے رب کی طرف وہی ادب ہوگا جس کی تم نے شرط کی ہوگی۔

لہ اگر زبان سے نیت کرنا مستحب ہوتا تو حضور صلعم اپنے قول یا فعل سے اس کے استحباب کی تصریح فرماتے اپنی طرف سے ہم کسی چیز کو کیسے مستحب کہہ سکتے ہیں؟

لہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت ہیں جس سے حضورؐ ضباعہؓ کو بھی طلب فرمایا کرتے تھے

ویسے اشتراط (یعنی شرط مقرر کرنے) کی حدیث صحیحین میں بھی موجود ہے۔ لیکن ہمارا مقصد (سنن کی) اس روایت کے لانے سے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس کو لبیک کہنے کا حکم دیا اور پھر شرط مقرر کرنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ لبیک کہنے سے پہلے کچھ بھی زبان پر لانے کے لئے ارشاد نہیں فرمایا۔

معمولِ نبویؐ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لبیک کہتے ہوئے یہ الفاظ زبان پر لایا کرتے تھے: لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا۔ (بس یہی حج کی نیت تھی) کبھی آپ کسی صحابی سے فرماتے: بِمَ اَهْلَلْتَ (تم نے کس صورت پر اہلال کیا یعنی حج یا عمرہ کے لئے لبیک کہی ہے۔

میقاتوں کا بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلعم نے یہی ارشاد فرمایا ہے

مهل اهل المدينة ذوالحليفه	اہلِ مدینہ کے لئے اہلال کی جگہ ذوالحلیفہ ہے
ومهل اهل الشام الجحفة	اہلِ شام کے اہلال کی جگہ جحفہ ہے اور
ومهل اهل اليمن يلملم و	اہل یمن کے لئے یہ جگہ یلملم ہے اور
مهل اهل نجد قرن المنازل	اہلِ نجد کے لئے اہلال کی جگہ قرن المنازل
ومهل اهل العراق ذات عرق	اور اہلِ عراق کے لئے ذاتِ عرق ہے۔
ومن كان دونهن فمهله	جو شخص ان مقامات کے اندر رہتا ہو، اس کے
من اهله۔	اہلال کی جگہ اس کا اپنا گھر ہے۔

اس حدیث میں بار بار اہلال کا ذکر فرمایا ہے اور اہلال کے معنے ہیں، لبیک کہنا۔ بہرکیف آنحضرت صلعم نے حج کا احرام باندھنے کیلئے

لبیک ہی کا کہنا ارشاد فرمایا ہے ۔

احرام باندھے جانے کے بعد کچھ کہنا مشروع ہو تو ہو لیکن کم از کم حج اور عمرہ کا آغاز لبیک ہی سے مشروع فرمایا ہے ، اس سے پہلے کوئی دوسرا لفظ زبان پر لانا مشروع نہیں فرمایا۔ بعینہ جس طرح نماز کو شروع کرنے کے لئے آپ نے تکبیر تحریمہ کا کہنا مشروع فرمایا ہے اور اسی سے نماز شروع کی جاتی ہے اور پھر تغیر حالات کے مطابق موقعہ بموقعہ تکبیر کہی جاتی ہے ۔

احرام مطلق اور مجمل قصد حج

اگر آدمی احرام باندھتے وقت تعیین نہ کرے اور مطلق احرام باندھ لے تو یہ جائز ہے ۔ اگر احرام باندھتے وقت مجمل طور پر دل میں حج کا قصد ہو ، لیکن وہ اس تفصیل کو نہ جانتا ہو (جو اوپر مذکور ہوئی) تو کچھ ہرج نہیں ۔ اگر کوئی شخص دوسرے لوگوں کے دیکھا دیکھی لبیک کہے ، اس کے دل میں مناسک حج کا بجا لانا ہو ، لیکن نہ تو اس نے زبان سے کچھ کہا اور نہ ہی اس نے دل میں اس بات کی کچھ تعیین کی کہ وہ تمتع کرنا چاہتا ہے یا قران کرنے کا ارادہ ہے یا افراد حج پر وہ مائل ہے ۔ تب بھی اس کا حج صحیح اور درست ہے اور یہ اس کی اپنی مرضی (اور بعد کی صوابدید) پر منحصر ہے کہ وہ ان تینوں اقسام میں سے کونسی قسم کا بجا لانا پسند کرتا ہے ۔ اگر اس نے ویسا ہی کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے حجۃ الوداع میں کیا تو از ہیں چہ بہتر !

شرط کرنا اور خوشبو لگانا

اور اگر اس نے کسی عارضہ کے پیش آنے کے خوف سے شرط مقرر کر لی اور یہ کہا کہ:

ان حبستنی حابس فمحلی حیث حبستنی (یعنی اگر کہیں بھی تو مجھ کو روک دیگا، میں حلال ہو جاؤنگا) پھر ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس نے اچھا کیا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی بیٹی ضباعہ بنت زبیر بن عبد المطلب کو اجازت دی تھی کہ وہ حج کی بجا آوری کے لئے شرط مقرر کر لے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بیمار تھی اور آپ سے اندیشہ تھا کہ مرض اس کے لئے حج کی بجا آوری سے مانع ہوگا۔ ہر ایک شخص کو اس طرح شرط مقرر کرنے کی آپ اجازت نہیں دیتے تھے۔

اسی طرح اگر آدمی احرام باندھتے وقت اپنے بدن پر (یا بالوں اور کپڑوں پر) خوشبو مل لے تو اس کا یہ فعل مستحسن سمجھا جائیگا لیکن احرام باندھنے والے کو یہ حکم نہیں دیا جائیگا کہ وہ خوشبو لگائے۔ کیونکہ خود تو رسول خدا ﷺ نے ایسا کیا اور احرام باندھتے وقت خوشبو لگائی، لیکن دوسرے لوگوں کو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا۔

عہد نبوی میں دستور

بہر حال کہنا یہ تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ وہ حج اور عمرہ کا احرام باندھتے وقت خاص الفاظ یا کوئی معین عبارت زبان پر لائیں۔ آپ کے عہد میں یہی کہا جاتا تھا کہ فلاں شخص نے حج یا عمرہ کے لئے اہلال کیا یا لبیک کہا (دونوں کے معنی ایک ہیں)۔ اس آیت کریمہ کے بھی معنے یہی ہیں:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ۔

(۲ : ۱۹۷)

حج کرنے کے مہینے معلوم ہیں جس کسی نے ان مہینوں میں اپنے اوپر حج فرض کیا (لبیک کہہ کر اس کا احرام باندھ لیا) تو پھر صنفی تعلق کا ذکر مذکور نہ ہو اور نہ ہی خدا کی نافرمانی کی جائے اور نہ لڑائی جھگڑا کیا جائے۔

رفث، فسوق اور جدال

صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

من حج هذا البيت فلم يرفث ولم يفسق خرج من ذنوبه كيوم ولدته امه۔

جس کسی نے حج کیا اور اس دوران میں نہ تو صنفی تعلق کا ذکر مذکور کیا اور نہ خدا کی نافرمانی کی وہ گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے گویا ابھی اُسے ماں نے جنا ہے

یہ معنے اس آیت کے اس صورت میں ہیں جبکہ اسی طرح پڑھا جائے فَلَا رَفَثٌ وَلَا فُسُوْقٌ۔ رفث کے معنی ہیں صنفی خواہش کا پورا کرنا، خواہ قول سے ہو یا عمل سے۔ فسوق ہر قسم کی معصیت اور نافرمانی کو کہتے ہیں، اور جدال کے لفظ کو بھی اگر اسی طرح پیش کے ساتھ پڑھا جائے، تو اس کے معنے یہ ہونگے کہ حج کے بارے میں نہیں جھگڑنا چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے افعال اور مناسک کو واضح طور پر بیان فرما دیا ہے اور اس کے متعلق بحث و مناظرہ کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ جاہلیت کے عہد میں چونکہ اختلافات موجود تھے، اس لئے اس کے متعلق اعتراضات اُٹھائے جا سکتے تھے اور جھگڑے کا فی الجملہ امکان تھا۔ اگر آیت کو دوسری قرأت کے مطابق

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ، زبر کے ساتھ پڑھا جائے، پھر بھی جدال کے یہی معنی ہو سکتے ہیں۔ لیکن بعض اہل علم نے اس کی یہ بھی توجیہ کی ہے: کہ کوئی شخص حج کی حالت میں کسی دوسرے کے ساتھ جھگڑا نہ کرے۔

پہلی توجیہ صحیح تر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مُحرم یا غیر مُحرم کو مطلق جھگڑنے سے منع نہیں فرمایا۔ بلکہ بعض اوقات جھگڑنا اور ردّ و قدح کرنا واجب یا مستحب ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ۔ (۱۶ : ۱۲۵)	اے نبی! اہل کتاب کے ساتھ بہترین صورت پر جھگڑا (ردّ و قدح) کیا کرو۔

البتہ بعض موقعوں پر جھگڑنا حرام اور ناجائز ہوتا ہے۔ لیکن اس کے لئے حج کی تخصیص نہیں۔ مثلاً بغیر علم اور سند کے جھگڑنا یا حق اور سچائی ظاہر ہو جانے کے بعد اس کی مخالفت کر کے جھگڑنا اور باطل پر اڑے رہنا۔ فسوق ہر قسم کی نافرمانی کو کہتے ہیں، صرف گالی دینے کے لئے مخصوص نہیں، گو اس میں شک نہیں کہ گالی دینا فسوق کے مفہوم میں داخل ضرور ہے۔

حج کا فاسد ہو جانا

رفث کا مفہوم، (جیسے کہ پہلے مذکور ہوا) صنفی خواہش کا پورا کرنا ہے۔ حج کے ممنوعات میں سوائے اس کے اور کوئی ایسی چیز نہیں جس کی وجہ سے حج ٹوٹ جائے۔ اسی لئے اس کو فسوق سے الگ کر کے ممنوع قرار دیا۔ دیگر ممنوعات مثلاً سلا ہوا کپڑا پہننا اور خوشبو لگانا اگرچہ ممنوعاتِ احرام سے ہے اور ایسا کرنے سے آدمی گنہ گار ضرور ہوتا ہے، لیکن بقول ائمۂ مشہورین کے حج فاسد نہیں ہوتا۔ مُحرم کو

سوائے مطلب کی باتوں کے لغو او فضول باتوں سے پرہیز کرنا مناسب ہے۔

قاضی شریح کی روایت

قاضی شریح رض کی بابت روایت ہے کہ جب وہ احرام باندھ لیتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ چُپ چاپ سانپ ہے۔ یاد رکھو، صرف دل میں حج کا ارادہ رکھنے سے انسان مُحرم نہیں ہوتا۔ کیونکہ جونہی آدمی گھر سے نکل کر حج کے لئے سفر اختیار کرتا ہے، لامحالہ اس کے دل میں حج کا ارادہ اور حج کی نیّت موجود ہوتی ہے۔ لیکن جب تک وہ اپنے قول یا عمل سے حج کا احرام باندھنے کا اظہار نہ کرے، مُحرم نہیں سمجھا جائے گا، اگرچہ اس کے متعلق اہل علم کے دو قول ہیں، لیکن صحیح تر قول یہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ احرام کی حالت میں معمولی لباس کہ جو آدمی عام طور پر پہنتا ہے، اُتار پھینکنا لازم ہے لیکن یہ احرام باندھنے کی شرط نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنا لباس اُتارنے کے بغیر احرام باندھ لے، تب بھی وہ مُحرم ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور ائمۂ علم کا اس پر اتفاق ہے۔ احرام کے بعد مُحرم پر لازم ہے کہ وہ اپنا (عام) لباس اُتار ڈالے

فصل ۴

ضروریاتِ احرام

بعد از غسل و نماز یہ مستحب ہے کہ احرام نماز کے بعد باندھا جائے چنانچہ یا تو فرض نماز ادا کرنے کے فوراً بعد احرام باندھا جائے اور یا اگر نفل پڑھنا اس وقت جائز ہے تو دو رکعت نفل پڑھ کر احرام باندھ لے۔ لیکن بعض اہلِ علم کا قول ہے کہ اگر نماز پڑھ لینے کے بعد احرام باندھ لے تو اچھا بہتر، بصورتِ دیگر احرام باندھنے کے لئے خاص طور پر نفل پڑھنا ثابت نہیں (لہٰذا مستحب نہیں) یہ قول پہلے کی نسبت راجح تر ہے احرام باندھنے کے لئے غسل کرنا مستحب ہے، حتیٰ کہ جس عورت کو ماہواری ایام آتے ہوں، یا وہ زچہ ہو، تب بھی وہ غسل کرے۔ اگر جسم کا ستھرا کرنا ضروری معلوم ہو تو ضرور ایسا کرنا چاہیئے مثلاً ناخن بڑھے ہوئے ہوں تو اُن کو اُتار دے، یا اگر بغلوں کے بال یا زیرِ ناف اس قابل ہوں کہ اُن کی صفائی کی جائے تو ان کا صاف کرنا مناسب ہے لیکن یہ کچھ احرام ہی کی خصوصیت نہیں ہے (مناسب فقہ کے بعد ہمیشہ اور ہر حالت میں ایسا کرنا چاہیئے)۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ سے یہ منقول نہیں کہ احرام باندھتے وقت اُنھوں نے ایسا کیا ہو۔ بات یہ ہے کہ جب بھی ان افعال کی ضرورت محسوس ہو اسی وقت ان کو عمل میں لانا چاہئے۔ اسی طرح جو شخص جمعہ یا عید کی نماز کیلئے جائے،

وہ بھی ان چیزوں سے پاکیزگی حاصل کر لیا کرے۔

دو چادر اوڑھنا مستحب یہ ہے کہ دو صاف ستھرے کپڑے اوڑھ کر احرام باندھے۔ اگر یہ کپڑے سفید اور اُجلے ہوں تو اور بھی بہتر ہے۔ ویسے ہر قسم کے کپڑوں میں احرام باندھنا جائز ہے جن کا پہننا اور استعمال کرنا شرع میں مباح اور جائز ہو، خواہ وہ کپڑے روئی کے ہوں یا کتان کے یا اُون کے۔ سنت طریقہ احرام کا یہ ہے کہ آدمی ایک چادر کو تہبند کے طور پر باندھ لے اور ایک چادر اوڑھ لے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ چادریں سلی ہوئی ہوں یا بن سلی۔ اس پر ائمہ کا اتفاق ہے۔ اگر دو چادروں کی بجائے کوئی دوسرا کپڑا پہن لے یا اوڑھ لے تب بھی کچھ مضائقہ نہیں، بشرطیکہ وہ اس قسم کا کپڑا ہو جس کا پہننا اور اوڑھنا شرع میں جائز ہو۔ اسی طرح احرام کی چادروں کا رنگ سفید کی بجائے کچھ اور ہو تو کچھ ہرج نہیں۔ رنگدار کپڑا بحالت احرام استعمال کرنا جائز ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ رنگ اس قسم کا نہ ہو جو شرع میں ممنوع ہے۔ (مثلاً ورس کے ساتھ رنگا ہوا کپڑا)۔

جوتا اور موزے پہننا اگر جوتا میسر ہو تو حالت احرام میں جوتا پہننا افضل ہے۔ لیکن اگر جوتا نہ ملے تو موزے[1] پہننا بھی جائز ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ان کو ٹخنوں سے نیچے کاٹ دیا جائے

---

[1] موزوں کے لیے عربی لفظ خف ہے میرا خیال ہے کہ لانگ بوٹ بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے۔ (مترجم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہ حکم دیا تھا کہ اگر موزہ ہو تو اس کو ٹخنوں سے نیچے کاٹ دینا چاہیئے (جس سے کہ وہ جوتے کے مشابہ ہو جائے) لیکن بعد کا ارشاد آپ کا یہ ہے کہ: لیبس السراویل لمن لم یجد ازاراً "جو شخص تہبند نہ پائے تو بحالتِ ضرورت پائجامہ کا پہننا جائز ہے۔ اور اگر کسی کو جوتا میسر نہ ہو تو وہ موزے پہن لے" یہ آپ نے مقام عرفات (حجۃ الوداع میں) ارشاد فرمایا۔ ابتدا میں آپ نے کاٹنے کا حکم اس لئے دیا کہ اس سے موزہ جوتے کی مانند ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر جو چیز ٹخنوں کو نہ چھپائے، مثلاً مکعب موزہ (گورگابی) اور کھڑاؤں وغیرہ، اس کا پہننا بحالت احرام اس وقت بھی جائز ہے جبکہ جوتا پہننا آدمی کو میسر ہو لیکن اگر جوتا میسر نہ ہو اور کوئی ایسی چیز جیسے گورگابی اور کھڑاؤں وغیرہ بھی پاس نہ ہو تو اندریں حالت موزہ پہننا جائز ہے اور اس کا کاٹنا ضروری نہیں۔

جوازِ پاجامہ اور شلوار

اسی طرح اگر تہبند نہ مل سکے تو پھر پاجامہ پہننا جائز ہے اور یہ ضروری نہیں کہ اس کو چیر پھاڑ کر ازار (تہبند) کی مانند بنا لیا جائے۔ اگرچہ اس کے متعلق اہلِ علم کا اختلاف ضرور ہے لیکن صحیح تر قول یہی ہے جو ہم نے ذکر کیا۔ کیوں کہ ابنِ عمرؓ کی روایت سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے عرفات میں یہی ارشاد فرمایا (جیسا کہ ابھی مذکور ہوا)۔

چُغہ، جُبّہ یا کُرتا پہننا

اسی طرح جو چیز بھی چادر اور تہبند (ازار) کی قسم سے ہو، اس کا پہننا اور اوڑھنا جائز ہے۔ چنانچہ مُحرم کے لئے جائز ہے کہ وہ چوغہ (قبا) یا جُبّہ یا کُرتہ چادر کی صورت پر اوڑھ لے۔ اس پر ائمہ فقہ کا اتفاق ہے، بشرطیکہ ان چیزوں کو چوڑائی کے لحاظ سے اوڑھے۔ نیز ان کو اُلٹا پہننا یعنی نیچے کے حصّہ کو اوپر اور اوپر کے حصّہ کو نیچے کر کے پہن لینا بھی جائز ہے۔ مُحرم کے لئے جائز ہے کہ وہ لحاف وغیرہ سے اپنے آپ کو ڈھانپ لے اتنا خیال ضرور ہے کہ سر کو بغیر ضرورت کے نہ ڈھانپا جائے۔

پابندی اور رخصت کی فلاسفی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مُحرم کو کُرتہ بارانی، پاجامہ، موزے اور پگڑی کے پہننے سے منع فرمایا ہے۔ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مُحرم مر جائے تو موت کے بعد اس کے سر کو نہ ڈھانپا جائے۔ جس شخص نے جُبّہ پہنے ہوئے احرام باندھا تھا، اس کو آپ نے حکم دیا کہ اس کو اُتار ڈالے۔ اب جو چیز حقیقت اور غرض کے لحاظ سے ان چیزوں کی مانند ہوگی، بہ الفاظِ دیگر انہی کے ہم جنس ہوگی، اس کا استعمال کرنا اور پہننا مُحرم کے لئے منع ہے۔ چنانچہ جو چیز کُرتہ کی مانند ہو، اس کا پہننا کُرتے کی طرح بحالت احرام ممنوع ہوگا۔ یاد رکھو، کُرتے کی خواہ آستینیں ہوں یا نہ ہوں، اس کا پہننا جائز نہیں۔ اس سے بھی کچھ فرق پیدا نہیں ہوتا کہ آدمی اپنے ہاتھ آستینوں کے اندر رکھے یا اُن سے باہر ہوں اسی طرح خواہ

وہ کرتا صحیح سلامت ہو یا پھٹا ہوا ہو، کسی حالت میں بھی اُس کا پہننا دُرست نہیں۔ اِسی طرح جُبہ اور چغہ بھی نہ پہنا جائے کہ آدمی اپنی باہیں اُسکی آستینوں کے اندر ڈالے ہوئے ہو۔ علیٰ ہٰذا القیاس عرق چین (بنیان اور سویٹر) کا پہننا بھی مُحرم کیلئے جائز نہیں۔ علاوہ ازیں دوسری چیزوں کو بھی انہی مذکورہ اشیاء پر قیاس کریں۔ اس پر ائمہ کا اتفاق ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص چوغے کو کندھوں پر ڈال لے اور اپنے ہاتھوں کو اُس کی آستینوں کے اندر نہ ڈالے، تو اس کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے۔

سلا ہُوا کپڑا

لیکن یہ جو فقہاء کہتے ہیں کہ سلا ہوا کپڑا نہ پہنے، اس کے یہی معنے ہیں (جو اوپر مذکور ہوئے) سلا ہوا کپڑا وہ ہے جو کسی عضو پر فٹ کر کے اس کو سیا گیا ہو۔ اسی طرح جن چیزوں میں موزے کے معنے پائے جاتے ہیں، مثلاً جوموق (فل بُوٹ) اور جوراب وغیرہ، ان کو بھی مُحرم نہ پہنے، جیسے کہ ان چیزوں کا پہننا اس کے حق میں ممنوع ہے جن میں پاجامہ کے معنے پائے جاتے ہوں۔ مثلاً جانگھیا اور نیکر وغیرہ۔

تہبند اور ہمیانی باندھنا

جس چیز کو باندھنے اور گرہ لگانے کی ضرورت ہو، اس کا باندھنا اور گرہ لگانا جائز ہے۔ مثلاً تہبند اور ہمیانی جس میں کہ روپے ہوتے ہیں اور کمر کے ساتھ بندھی جاتی ہے۔ چادر کو باندھنے اور گرہ لگانے کی ضرورت نہیں، اس لئے

اس کو نہیں باندھنا چاہیئے۔ اگر بالفرض اس کے باندھنے یا گرہ لگانے کی ضرورت پیش آ جائے، تو اس کے متعلق اہل علم میں اختلاف ہے۔ قرین قیاس قول یہی ہے کہ اس حالت میں جائز ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ جن علماء نے اندریں حالت اس کو باندھنے اور گرہ لگانے سے منع کیا ہے، ان کی مراد اس سے کراہت ہے یا تحریم؟ اس فعل کے حرام ہونے کی سوائے اس کے اور کوئی دلیل نہیں جو حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے عقد رداء (چادر کو باندھنا یا گرہ لگانا) کو مکروہ سمجھا ہے۔ اب جن علماء نے اُن کے قول کو اخذ کیا ہے، اُن کا آپس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے (بالفاظ دیگر ہلکا سا مکروہ ہے)۔ امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ بعض دوسرے علما اس کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔ برخلاف اس کے سر کو ڈھانپنا، خواہ سلے ہوئے کپڑے سے ہو یا بن سلے ہوئے سے، بہرحال ممنوع ہے۔ مثلاً محرم اپنے سر پر پگڑی باندھے، نہ ہی اس کو ٹوپی سے ڈھانپے، نہ رومال سے اور نہ ہی کوئی اور کپڑا سر پر ڈالے جو سر کے ساتھ مس کرتا رہے وغیرہ وغیرہ۔

چھت، خیمہ اور سایہ محرم کے لئے جائز ہے کہ وہ چھت کے نیچے یا خیمہ کے اندر بیٹھے یا درخت کے سایہ میں پناہ لے اس پر جملہ ائمہ کا اتفاق ہے۔ لیکن کجاوہ اور ہودج کے اندر بیٹھ کر آدمی کا اپنے آپ کو دھوپ سے بچانے کے متعلق اختلاف ہے۔ محرم کے لئے بہتر یہ

ہے کہ جس خدائے بزرگ و برتر کے لیے اس نے احرام باندھ رکھا ہے، اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دھوپ ہی میں رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے اسی طرح حج کیا ہے۔ چنانچہ ابن عمرؓ نے ایک شخص کو (بحالتِ احرام) دیکھا کہ اس کے سر پر سایہ کیا گیا ہے، تو فرمایا: یا ایھا المحرم! اضح لمن احرمت لہ "جس کے لئے تم نے احرام باندھا ہے، اس کے لئے دھوپ ہی میں رہو۔ اسی بنا پر سلف صالحین کجاووں اور شغدفوں کے اوپر قبہ بنانا (کہ ان کے اندر دھوپ نہ پڑے) مکروہ سمجھتے تھے۔ لیکن جو کجاوے اوپر سے ننگے ہوں، اُن میں بیٹھنے کو تو سوائے بعض زاہدانِ خشک کے کسی نے بھی مکروہ نہیں کہا۔

عورت کا سر ڈھانکنا

سر کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، یہ مرد کے حق میں ہے لیکن عورت، عورتؔ ہے۔ اس لئے وہ ایسے سب کپڑے پہن سکتی ہے جس سے کہ ستر حاصل ہو۔ نیز وہ ہودج کے اندر اس کے سایہ میں بیٹھ سکتی ہے۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حالتِ احرام میں نقاب منہ پر ڈالنے اور دستانے پہننے سے منع فرمایا ہے۔ دستانے ہاتھ کا وہ غلاف ہے جس میں ہاتھوں کو ڈھانپا جاتا ہے جس طرح کہ وہ لوگ جو باز اور چرغ کو اٹھائے پھرتے ہیں اپنے ہاتھوں پر اوڑھ لیتے ہیں۔ اگر عورت اپنے چہرے کو کسی ایسی چیز سے ڈھانپ لے جو اس کے ساتھ مس نہ کرتی ہو، تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔ اور اگر کوئی

ؔ عربی زبان میں عورت اس عضو کو کہتے ہیں جس کو مستور رکھا جائے۔

ایسی چیز ہو جو چہرہ سے مس کرتی رہے (چھوتی رہے) تو پھر اس میں اختلاف ہے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ جائز ہے۔ عورت کو اس بات کی تکلیف نہ دی جائے کہ وہ کسی لکڑی کے ذریعے یا اپنے ہاتھ سے منہ پر ڈالے ہوئے کپڑے کو اس سے جدا رکھنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق عورت کا چہرہ اور اس کے ہاتھ بالکل ایک جیسے ہیں اور یہ دونوں اعضا مرد کے عام جسم کی طرح ہیں، اس کے سر کی طرح نہیں (اس لئے ان کا ڈھانپنا جائز ہے)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات حج کے دوران میں اپنے منہ پر کپڑا لٹکائے رکھتی تھیں، لیکن اس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا کہ وہ چہرہ سے دور رہے اور اس کے ساتھ نہ چھونے پائے۔

ممانعت نقاب و برقع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی اہل علم نے بھی یہ روایت نہیں کی کہ عورت کا احرام اس کے چہرہ میں ہے۔ یہ قول بعض سلف کا ہے۔ البتہ یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو نقاب پہننے اور دستانوں کے استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے، بعینہ جس طرح کہ آپؐ نے محرم مرد کو کرتا اور موزہ پہننے سے منع فرمایا ہے۔ بایں ہمہ اس کے لئے یہ جائز ہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں کو ڈھانپے رکھے اور ائمہ کا اس پر اتفاق ہے اور جب نقاب پہننا ممنوع ٹھہرا، تو برقعہ اوڑھنا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا، جو اس سے بڑھ کر ساتر ہے چنانچہ اس کے ممنوع ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

تجاوزِ حدود اور کفارت

خلاصہ یہ کہ جن چیزوں کا پہننا اور اوڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کے لئے منع فرمایا ہے، ان چیزوں کا پہننا اور اوڑھنا بغیر خاص ضرورت کے ناجائز ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جس طرح روزہ دار کیلئے بغیر ضرورت کے روزہ کھولنا منع اور ناجائز ہے۔ ضرورت کی مثال یہ ہے کہ مثلاً محرم کو یہ اندیشہ ہو کہ اگر وہ اپنے سر کو کھلا رکھے گا تو وہ بیمار پڑ جائیگا یا پہلے سے بیمار ہے اور سر کا نہ ڈھانپنا اس کے لئے باعثِ ضرر اور موجب ازدیادِ مرض ہے۔ اندریں صورت تابحدِ ضرورت اس کے لئے سر کا ڈھانپنا جائز ہے۔ جب ضرورت باقی نہ رہے تو پھر ایسا نہ کرے۔ لیکن یاد رکھو، جو شخص بلا ضرورت ایسا کریگا، اس پر فدیہ واجب ہوتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ یا تو تین دن روزہ رکھے یا دنبہ اور بکرے کی قربانی کرے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یعنی کھجور یا جَو کا آدھا صاع (جو بقول بعض علمائے ہند پونے تین سیر انگریزی کے برابر ہوتا ہے) یا گندم کا ۱/۴ صاع ہر ایک مسکین کو دے، اور اگر کھانا کھلائے تب بھی جائز ہے۔ کھانا خشک روٹی نہ ہو بلکہ سالن بھی اس کے ساتھ ہو۔ اگر مسکینوں کو کوئی ایسا کھانا کھلائے جو خود کھاتا ہے (اور گھر والوں کو کھلاتا ہے) مثلاً بسکٹ اور پتلی چپاتی وغیرہ تو یہ جائز ہے۔ کھانا کھلانا بہ نسبت اس کے بہتر ہے کہ گندم یا جو مسکینوں کو دے۔ اسی طرح ہر ایک قسم کی کفارت میں مسکینوں کو سالن روٹی کھلا دینا بہ نسبت اس کے بہتر ہے کہ

محض اناج ان کو دیا جائے۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ ان مسکینوں کو یہ عادت نہ ہو کہ وہ خود آٹا پیس کر اپنے ہاتھ سے روٹی پکاتے ہوں۔ اصل طریقہ ادائے کفارت کا وہی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے:

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ۔ (۵ : ۸۹)	قسم توڑنے کی کفارت یہ ہے کہ جس طرح کا کھانا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، اس قسم کا اوسط درجے کا کھانا دس مسکینوں کو کھلاؤ یا ان کو کپڑے پہنا دو۔

اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ اس اوسط کی مقدار شرع نے مقرر کی ہے یا عرف عام کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائیگا۔ اسی طرح بیوی کے نفقہ کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ ان دونوں مسائل کے متعلق قول راجح یہ ہے کہ عرف عام کے مطابق اس کی تعیین کی جائے گی۔ چنانچہ ہر ایک قوم میں جس قسم کا اناج وغیرہ گھروں میں کھایا جاتا ہو اور جو کھانا وہ حسب معمول عام طور پر گھر والوں کو کھلاتے ہوں، مسکینوں کو بھی وہی کھانا کھلایا جائے۔ چونکہ کعب بن عجرہ کے لوگوں کی غذا عام طور پر کھجوریں تھیں، اس لئے آپ نے اس سے کفارت کی تفصیل فرماتے ہوئے یہ فرمایا کہ کھجوروں کا ایک فرق "چھ مسکینوں کو کھلا دو" فرق ایک پیمانہ کا نام ہے جو تین صاع کے برابر ہوتا ہے۔ جب آدمی کوئی ممنوع شرعی کرنے کا ارادہ کرے تو جائز ہے کہ خلاف ورزی کرنے سے پہلے کفارہ

ادا کرے اور پھر وہ عمل ممنوع عمل میں لائے، یا یہ کہ خلاف ورزی کرنے کے بعد کفارت ادا کرے۔ اسی طرح اگر کفارت کے طور پر قربانی کرنا چاہے تو مکہ معظمہ پہنچنے سے پہلے قربانی کر سکتا ہے۔ روزے رکھنا پسند کرے تو اس کو اختیار ہوگا کہ مسلسل رکھے یا الگ الگ روزے رکھ لے۔ اگر کوئی عذر ہو تو کفارت کے ادا کرنے میں تاخیر کرنے کا کچھ مضائقہ نہیں۔ بصورت دیگر تعجیل کرنا بہتر ہے۔ اگر آدمی احرام کی حالت میں ممنوع لباس پہن کر اُتار دے اور کفارت ادا کرنے سے پہلے پھر وہ لباس پہن لے تو ایک ہی بار فدیہ دینا کافی ہے۔ اہل علم کا ظاہر ترین قول یہی ہے۔

فصل

تلبیہ بدرگاہِ خُداوندی

الفاظِ مسنونہ احرام باندھ لینے کے بعد اُنہی الفاظ میں لبیک کہتا رہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور وہ یہ ہیں:

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔	میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں۔ بلاشبہ سب تعریفیں تیرے ہی لائق ہیں سب نعمتیں تیری عطا کردہ ہیں بادشاہت بھی تیری ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں۔

اگر ان میں لبیک ذالمعارج (میں حاضر ہوں اے صاحب معارج) کا لفظ بڑھا دے یا اللھم لبیک وسعدیک (اے اللہ میں حاضر ہوں، میں تیرا ہی فرمانبردار ہوں) کہے یا اسی طرح کے اور مناسب الفاظ کا اس میں اضافہ کرے تو کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ وہ صحابہ جو حج میں حضور صلعم کے ہمرکاب تھے، مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ اپنی طرف سے کئی ایک الفاظ بڑھاتے لیکن رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سنتے اور چپ رہتے۔ رسول خدا صلعم خود انہی الفاظ میں لبیک کہنا جاری رکھتے جو مذکور ہوئے۔ لبیک کہنا اس وقت سے شروع ہو جاتا ہے جبکہ آدمی احرام باندھ لے، قطع نظر اس سے کہ کسی جانور پر سوار ہو یا نہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ لبیک کہنے کے بعد احرام باندھے۔ لبیک کہنا اس بلاوے کو قبول کرنے کا اظہار ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے اپنے گھر کا حج کرنے کے لئے بلایا۔

مفہوم الفاظ تلبیہ لبیک کہنے کے معنے یہ ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو تمہارے اختیار میں دے دیا اور میں ہر طرح سے تمہارا مطیع و منقاد ہوں۔ لبۃ عربی زبان میں گردن کے نیچے ہنسلی کی ہڈی کو کہتے ہیں۔ لبیک کہنے کا مقصد گویا یہ ہے کہ میں نے تمہارا رشتہ اطاعت اپنی گردن میں ڈال لیا۔ عربی دان جانتے ہیں کہ لبّ کے لفظ کو تثنیہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

انا مجیبوک لدعوتک مستسلمون لحکمتک مطیعون لامرک مرۃ

یعنی مرّۃ - (میں بار بار تیری دعوت کو (بار خدایا!) قبول کرتا ہوں اور تیری انقیاد اور اطاعت کا یکے بعد دیگرے مسلسل طور پر اظہار کرتا ہوں یاد رکھو' لبیک کہنا' حج کا شعار یعنی اس کی امتیازی علامت ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

فاضل الحج العج والثج فالعج رفع الصوت بالتلبیۃ والثج اہراقۃ دماء الھدی۔	بہترین حج وہ ہے جس میں چیخ پکار ہو اور خون بہایا جائے یعنی سب حجاج مل کر بلند آواز سے لبیک کہیں کہ فضا گونج اٹھے اور جا بجا قربانیوں کا خون بہہ رہا ہو۔

درجہ استحباب اور طریقہ مسنونہ

اسی بنا پر لبیک کو زور سے کہنا مستحب ہے۔ بشرطیکہ اتنا زور سے نہ کہے کہ اسے تکلیف محسوس ہو۔ عورت اپنی آواز کو لبیک کہتے وقت اتنا بلند کرے کہ اس کے ساتھ کی عورتیں سن لیں لبیک کہنے کی کثرت مستحب ہے۔ چنانچہ ہر ایک نئی حالت پیش آنے پر زور زور سے لبیک کہے مثلاً جب نماز ختم ہو یا کسی ٹیلے اور بلندی پر چڑھنا شروع کرے یا کسی وادی میں اترنے لگے یا دوسرے حجاج سے اس کی ملاقات ہو یا کسی دوسرے حاجی کو لبیک کہتا ہوا سنے یا جس وقت دن یا رات شروع ہو۔ اسی طرح جب کوئی ممنوع بات اس سے صادر ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ:

من لبی حتی تغرب الشمس فقد امسیٰ مغفورا لہ ذنوبہ	جو شخص دن بھر غروب آفتاب تک لبیک کہتا رہے تو شام کو اس کے سب گناہ بخشے جاتے

دعا عقیب التلبیۃ وصلی اللہ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسئل اللہ رضوانہ و الجنۃ واستعاذ برحمتہ من سخطہ والنار حسن۔

ہیں۔ اگر کوئی لبیک کہہ کر دعا مانگے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، اللہ تعالیٰ سے اس کی خوشنودی کا سوال کرے جنت کے لئے درخواست کرے اور اس کے عذاب سے اس کی رحمت کے ساتھ پناہ مانگے، تو یہ اچھی بات ہے۔

فصل ۶

مفسدات حج اور رخصت کا معیار

فضیلت کا درجہ

منجملہ ممنوعات احرام کے ایک یہ ہے کہ احرام باندھنے کے بعد اپنے بدن پہ خوشبو ملے یا کپڑوں کو معطر کرے یا دانستہ خوشبو سونگھے۔ لیکن اگر سر پر تیل یا مکھن وغیرہ لگایا جائے جس میں کہ خوشبو کی آمیزش نہ ہو یا جسم پر تیل وغیرہ کی مالش کرے تو اس کے متعلق اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔ لیکن بہرحال ایسا نہ کرنا افضل ہے۔ محرم آدمی ناخن نہ لے اور اپنے بالوں کو نہ کاٹے۔ البتہ اپنے جسم کو کھجلا سکتا ہے۔

سنگی اور غسل کا جواز

سنگی لگانا جائز ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ سر میں لگائی جائیں یا جسم کے کسی دوسرے حصہ پر لگائی

جائیں۔ اگر سر میں سینگیاں لگانے کے لئے سر کا کچھ حصہ مونڈنا پڑے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ کیونکہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ احرام اپنے سر کے وسط میں سنگیاں لگوائیں۔ اور یہ بغیر اس کے ممکن نہیں کہ سر کے بال مونڈے جائیں[1]۔ اسی طرح اگر آدمی غسل کرے اور اس کے کچھ بال گر جائیں تو کچھ حرج نہیں، خواہ اس کو اس بات کا یقین ہو کہ یہ بال اس کے غسل ہی کی وجہ سے (بالوں کو ملتے وقت) گرے ہیں۔ بوقتِ ضرورت محرم کے لئے جائز ہے کہ وہ فصد لے (رگ کھلوائے)۔ کوئی شخص جنبی ہو تو اس کے لئے غسل کرنا بالاتفاق جائز بلکہ ضروری ہے۔ اسی طرح اگر بغیر جنابت کے غسل کرے، تب بھی کچھ حرج نہیں۔

نکاح یا تحریکِ نکاح

محرم آدمی نہ تو خود نکاح کرے، نہ کسی دوسرے کا نکاح کرے اور نہ ہی منگنی کی بابت گفت و شنید کرے۔ خشکی پر شکار کھیلنا اس کے لئے ممنوع ہے۔ اور یہ بھی جائز نہیں کہ کوئی شکار کیا ہوا جانور خریدے یا کوئی اس کو ہبہ کرے یا تحفہ کے طور پر لائے اور وہ اس کو قبول کرلے شکار کرنے میں کسی دوسرے کو بھی مدد نہ دے اور نہ ہی شکار کئے ہوئے جانور کو ذبح کرے۔ برخلاف اس کے بحری شکار کرنا مثلاً مچھلیاں پکڑنا محرم کے لئے جائز ہے اور اس کے کھانے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں۔

---

[1] جس حصہ سر پر سنگیاں آپ نے لگوائیں اس کا مونڈنا ضروری تھا

گھاس اور درخت کاٹنا درختوں کا کاٹنا مُحرم کے لئے منع نہیں۔ لیکن حرم شریف کے درخت کاٹنا ہر حالت میں منع ہے۔ خواہ آدمی مُحرم ہو یا نہ ہو۔ حرم شریف میں درختوں کے علاوہ عام نباتات کاٹنا بھی منع ہے۔ صرف اذخر کو جو ایک قسم کی خوشبودار گھاس ہے، اس سے مستثنےٰ کیا گیا ہے۔ جس سبزی کو خود لوگوں نے بویا ہو یا جو درخت خود اُنہوں نے اپنے ہاتھ سے لگائے ہوں، وہ ان کا حق ہے، جس طرح چاہیں اُن میں تصرّف کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جو سبزی اور گھاس خشک ہو جائے اس کا بھی استعمال میں لانا جائز ہے۔

احترام حرم مکہ حرم شریف[1] میں کسی قسم کا شکار نہ کیا جائے، حتےٰ کہ صحیح قول کے مطابق مچھلیاں پکڑنا بھی منع ہے۔ حرم شریف کے ادب و احترام کی یہ کیفیت ہے کہ اس کے حدود کے اندر شکار کو ڈرانے اور بھگانے تک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ مثلاً ایک جگہ کوئی ایسا جانور ڈیرہ جمائے بیٹھا ہے جس کا شکار کیا جا سکتا ہے اور آدمی اس کو ہٹانے کی کوشش کرتا ہے کہ خود اُس

---

[1] مکہ معظمہ کے چاروں طرف کئی کئی کوس تک جو جنگل وزمین واقع ہے اسے اصطلاح شرع میں حرم کہا جاتا ہے۔ حدود حرم ظاہر کرنے کے لئے جا بجا بُرجیاں نصب کرکے دروازے بنا دئے گئے ہیں۔ جب آدمی حد حرم میں داخل ہو جائے تو اس مقام کی عظمت و احترام کی وجہ سے بعض مباحات حرام ہو جاتی ہیں، اگر اس سے خلاف ورزی کا ارتکاب سرزد ہوگا تو مقصد فوت ہو جائیگا۔

جگہ پر قابض ہو۔ ایسا کرنا بروئے شرع ناجائز ہے۔

حرم مدینہ

حرم مکہ کی طرح حرم مدینہ کی بھی توقیر اور احترام واجب ہے۔ اس حرم نبوی کے حدود مدینہ شریف کے دو پتھریلے میدانوں کے درمیان ہیں۔ اس کا رقبہ طول و عرض میں دونوں جانب سے چار فرسنگ (تین میل = ایک فرسنگ) ہے۔ بالفاظ دیگر ایک مربع رقبہ ہے جس کا ہر ایک بازو بارہ میل کے برابر ہے۔ حدیث میں اس کی حدود پہاڑیوں کا نام لے کر بتائی گئی ہیں۔ ایک کا نام عیر ہے اور دوسری کا ثور۔ ثور مکہ کے قریب بھی ایک پہاڑ کا نام ہے۔ وہ اور ہے۔ بہرحال اس حرم نبوی کے حدود کے اندر بھی کسی قسم کا شکار نہ کیا جائے اور نہ ہی اس کا کوئی درخت کاٹا جائے۔ ضرورت کی بات اور ہے۔ مثلاً پالان یا ہل اور جوئے کے لئے یا ایسے ہی کسی اور مقصد کے لئے لکڑی مطلوب ہو تو مدینہ کے حرم کا درخت کاٹ کر وہ ضرورت پوری کی جاسکتی ہے۔ گھاس چارہ کے طور اس حرم کا خشک گھاس استعمال کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ اہلِ مدینہ کو اس کی ضرورت رہتی ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ ضرورت کی وجہ یہ ہے کہ حرمِ مدینہ کے ارد گرد کا علاقہ اس قسم کا نہیں کہ اہلِ مدینہ کے مویشیوں کے لئے وہاں سے گھاس چارہ مہیا کیا جاسکے۔ حرم مکہ کی حالت اس سے مختلف ہے۔ اگر حرم کے اندر کوئی شخص اس کو شکار کیا ہوا جانور دیدے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ اُسے چھوڑ دیا جائے۔

حرمین شریفین کی فضیلت

یاد رکھو، حرم مکہ اور حرم مدینہ کے علاوہ دنیا بھر میں کوئی دوسرا حرم نہیں حتیٰ کہ بیت المقدس کے اردگرد کے رقبہ کو بھی حرم نہیں کہا جا سکتا۔ جاہل لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ حرم قدس ہے اور یہ حرم خلیل ہے، محض بے معنی الفاظ ہیں۔ اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ سوائے مکہ اور مدینہ کے حرم کے دنیا بھر میں کوئی بھی دوسرا حرم نہیں جس کے حرم ہونے پر سب اہل علم نے اجماع کیا ہو، وہ صرف مکہ شریف کا حرم ہے (جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے عہد سے حرم چلا آتا ہے) مدینہ کے حرم ہونے میں بھی بعض اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔ گو جمہور علماء اس کے حرم ہونے کے قائل ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں جو احادیث منقول ہیں اُن کی شہرت استفاضہ کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہے[1]۔ بہر حال کسی تیسرے حرم کے متعلق کوئی بھی اہل علم کا معتدبہ قول منقول نہیں۔ صرف وَج کے بارے میں جو طائف کی ایک وادی ہے، بعض اہل علم نے کہا ہے کہ یہ بھی حرم ہے لیکن جمہور اہل علم اس کے حرم ہونے کے قائل نہیں۔

موذی جانور کا مارنا

مُحرم کے لئے یہ جائز ہے کہ کسی ایسی چیز کو قتل کرے جو حسب معمول لوگوں کو ایذا دے، مثلاً سانپ، بچھو، چوہا، کوّا اور کاٹنے والا کُتّا۔ نیز اگر کوئی آدمی یا جانور اس کو اذیت پہنچانے کا قصد کرے (اور اس سے بچنے کی اور کوئی صورت نہ ہو) تو اس کا

---

[1] متواتر کے قریب ہے اسی بنا پر مکہ اور مدینہ دونوں کو حرمین شریفین کہتے ہیں۔

قتل کرنا جائز ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اس پر حملہ آور ہوا ور اس کے ساتھ لڑنا ناگزیر ہو، تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر لڑائی کے دوران میں محرم اُس کو قتل کر دے۔ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ:

مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دَمِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دِيْنِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ حُرْمَتِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ۔

جو شخص اپنے مال کی حمایت کے لئے لڑتا ہُوا مارا جائے، وہ شہید ہے اور جو شخص اپنی جان کی حفاظت کے سلسلہ میں مارا جائے وہ شہید ہے اور جو شخص دین کی تائید کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے اور جو شخص اپنی عزت کے بچاؤ کے لئے مقتول ہو وہ شہید ہے۔

پسّو اور جوئیں مارنا

اگر پسّو یا جوئیں کسی کو کاٹیں تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ ان کو اپنے سے پرے پھینک دے۔ لیکن اگر ان کو مار ڈالے، تب بھی کچھ حرج نہیں۔ ان کے مار ڈالنے سے کوئی کفارت لازم نہیں آتی۔ پسّو اور جوں کے مار ڈالنے کی نسبت اُن کا اپنے سے دُور کرنا اور پرے پھینک دینا خفیف تر ہے

جو جانور اس قسم کے ہیں جن کا گوشت کھانا حرام ہے، مثلاً شیر اور چیتا وغیرہ وہ اگر محرم کے سامنے آئیں تو اُن کو قتل نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن اگر اُن کو قتل کر دے تو اہلِ علم کا ظاہر تر قول (جو قابل

ترجیح ہے) یہ ہے کہ اس پر کسی قسم کی کفارت عاید نہیں ہوتی۔ اگر جوئیں کسی کو اذیت نہ دیں اور وہ یونہی ان کو دیکھنے بیٹھ جائے (ان کو نکال ڈالنے میں لگ جائے) تو یہ ایک طرح کی عیاشی ہے اس لئے ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر ایسا کرے بھی تو اس پر کوئی تاوان نہیں۔

صنفی خواہش اور کفارہ

محرم کے لئے صنفی خواہش کا پورا کرنا اور اس کے لوازم اور مقدمات (تمہیدی باتیں) سب حرام اور ناجائز ہیں۔ نہ تو وہ بوسہ لے سکتا ہے اور نہ ہی (صنفی خواہش کی تحریک سے) بیوی کو چھو سکتا ہے۔ اسی طرح صنفی خواہش سے تحریک پاکر کسی عورت پر نظر کرنا منع ہے۔ اگر اس نے اثنائے حج میں بیوی کے ساتھ ہمبستری کی تو حج فاسد ہو جاتا ہے (جس طرح نماز ٹوٹ جاتی ہے) اگر کسی شخص کا ہمبستری کے بغیر انزال ہو جائے تو اس کے حج فاسد ہو جانے کے متعلق اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ جیسے کہ پہلے کہا گیا ہے، تمام ممنوعاتِ احرام میں یہی (صنفی خواہش کا پورا کرنا) ایک ایسی چیز ہے جس سے کہ حج فاسد ہو جاتا ہے (اور اس کی بجائے از سر نو دوسرا حج کرنا پڑتا ہے)۔ اگر کوئی شخص صنفی خواہش سے تحریک پاکر بوسہ لے یا اس کی مذی کی رطوبت نکل پڑے، تو اس کی کفارت قربانی کرنا ہے۔

فصل

آداب ترتیب طواف

داخلۂ مکہ اور اسوۂ نبوی جب آدمی مکہ شریف پہنچ جائے تو اس کے لئے جائز ہے کہ جس طرف سے چاہے اس میں داخل ہو۔ لیکن افضل یہ ہے کہ بیت اللہ شریف کے سامنے کی طرف سے آئے۔ کیونکہ اس سے سنت کا اتباع حاصل ہوتا ہے۔ رسول خدا

لے شہر مکہ معظمہ مملکت حجاز کا مشہور ترین شہر ہے دین اسلام کا قدیم ترین مرکز اور دنیا بھر میں افضل و اشرف بقعۂ نور ہے کسی زمانہ میں غیر آباد، بنجر اور بے آب و گیاہ ریگستان تھا۔ نہ کوئی حیوان تھا نہ انسان۔ آخر بحکم خداوندی حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام دونوں باپ بیٹے نے خانۂ کعبہ تعمیر کیا اور اس کی آبادی کے لئے انقلاب انگیز دعائیں مانگیں، جو مقبول بارگاہ ہوئیں۔ قرآن نے اس مبارک شہر کو "ام القریٰ" نام دیا ہے۔ خدا کا سب سے پہلا اور قدیم گھر ہے اور رہتی دنیا تک اس کی عظمت و عزت کا شہرہ قائم و دائم رہیگا اور ہر سال شمع رسالت کے پروانے رضائے الٰہی کی خاطر کشاں کشاں شرف زیارت کو آتے رہیں گے۔

یہ شہر مہبط وحی الٰہی اور رسالت محمدیہ و شریعت نبویہ کا مظہر ہے۔ حکومت حجاز کا دارالسلطنت ہے۔ اس کے چودہ محلے ہیں اور ہر محلہ میں ایک ایک پولیس چوکی اور شفاخانہ ہے۔ (ناشر)

صلی اللہ علیہ وسلم جب حج کے لئے تشریف لائے تھے تو آپ اس جانب سے مکہ میں داخل ہوئے جہاں اب باب المعلاۃ ہے۔ آنحضرت کے عہد میں مکہ شریف اور مدینہ منورہ کی کوئی شہر پناہ دیوار نہیں تھی، اس لئے دروازے بھی نہ تھے۔ مکہ شریف کی جس جانب بلندی ہے اس میں جو گھاٹی ہے اور جس کو کدا یا الفتح کہتے ہیں اور جس سے نکل کر مشہور مقبرہ سامنے آتا ہے[1]، اسی گھاٹی سے آپ مکہ شریف میں داخل ہوئے۔ مسجد حرام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بڑے دروازہ سے داخل ہوئے تھے جس کو باب بنی شیبہ کہتے ہیں۔ اس دروازہ سے داخل ہو کر آپ سیدھے حجر اسود کے پاس جا نکلے کیونکہ دوسرے دروازوں کی نسبت یہ دروازہ حجر اسود کے قریب تر واقع ہے۔

عمارات زمانۂ قدیم و حال

قدیم زمانہ میں مکہ شریف میں کوئی ایسی عمارت نہیں تھی جو کعبہ شریف سے اونچی ہو، اور نہ ہی اس عہد میں (عہد رسالت میں) صفا اور مروہ یا مشعر الحرام پر کوئی عمارت بنی تھی۔ منیٰ اور عرفات میں بھی اس وقت کوئی مسجد نہیں تھی اور نہ ہی جمروں کے پاس مسجدیں تھیں۔ یہ سب عمارتیں اور مسجدیں خلفائے راشدین کے زمانہ کے بعد بنی ہیں۔ بعض ایسی بھی ہیں۔ جن کی تعمیر دولت آشوبیہ کے بعد ہوئی ہے اور بعض اس کے بعد بھی تعمیر ہوئی ہیں۔ لہٰذا اس عہد مبارک میں ابھی آدمی نے مسجد حرام

---

[1] اب یہ مقبرہ باب المعلیٰ کے نام سے مشہور ہے اکثر لوگ اسے جنت المعلیٰ بھی کہتے ہیں۔

میں قدم نہیں رکھا ہوتا تھا کہ بیت اللہ شریف[1] نظر آنے لگتا۔

ابن جریرؓ راوی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک جب بیت اللہ شریف پر پڑتی تو آپؐ ہاتھ اٹھا کر یہ الفاظ زبان پر لاتے:

اللھم زد ھذا البیت تشریفا وتعظیما وتکریما ومھابۃ وبزاد زدمن شرفہ وکرمہ ممن حجہ او اعتمرہ تشریفا وتعظیما۔	بار خدایا! اس گھر کی شرف عظمت اور عزت و تکریم زیادہ کردے اور اس میں آکر حج و عمرہ کرنے اور اس کی عزت و حرمت کرنے والے لوگوں کو عزت وشرف کی نعمتوں سے مالامال کردے۔

---

[1] آجکل جس عمارت میں خانہ کعبہ واقع ہے اسے حرم شریف کہتے ہیں۔ مستطیل عمارت ہے جس کا طول ۵۴۶ فٹ اور عرض ۵۴۰ فٹ ہے۔ خانہ کعبہ عین وسط میں ہے اس حرم شریف کے اندر ایک وسیع مسجد ہے جو مسجد حرام کہلاتی ہے اور اس کے چاروں طرف دالان در دالان پانچ پانچ درجے کے قبا رنما بنے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک درجہ کا عرض ۵ گز ہے۔ حرم شریف کے چاروں طرف کئی دروازے ہیں۔ جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں: باب العلیق، باب المدرسہ، باب الحکمت، باب السلام، باب النبی، باب المعلی، باب العباس، باب الوداع، باب ابراہیمؑ، باب العمرہ، باب ام ہانی، باب الجیاد اور باب الصفا، باب رحمت، باب جیاد، باب الزیادہ، باب عمرو ابن العاص۔

حرم شریف کے سات مینار ہیں۔ چار چاروں کونوں پر اور تین درمیان میں۔ حرم شریف کے اندر کی طرف ۴۸۴ ستون ہیں جن میں ۲۹۵ سنگ مرمر کے ہیں، باقی دوسری قسم کے پتھر کے۔

تحیۃ بیت اللہ

اب ہر شخص جس کو مسجدِ حرام میں داخل ہونے سے پہلے بیت اللہ شریف کا نظر آنا میسّر ہو، وہ ایسا ہی کرے۔ جو اہلِ علم اس کو مستحب سمجھتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ مسجدِ حرام میں داخل ہونے کے بعد بھی جب بیت اللہ شریف دکھائی دے تو ہاتھ اُٹھا کر یہ الفاظ زبان پر لانا مستحب ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی ثابت ہے کہ جب آپؐ مسجد حرام میں داخل ہوتے تو طواف ہی سے ابتدا فرماتے۔ مسجدِ حرام میں داخل ہو کر آپؐ تحیۂ مسجد کے طور پر دو گانہ ادا نہیں فرماتے تھے اور نہ ہی ویسے نوافل وغیرہ میں مشغول ہوتے کیونکہ مسجدِ حرام کا تحیہ یہی ہے کہ آدمی بیت اللہ شریف کا طواف کرے۔

دستورِ نبوئؐ قبل از داخلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شریف میں داخل ہونے سے پہلے غسل فرمایا کرتے، جیسے کہ آپؐ کی یہ بھی عادتِ مبارک تھی کہ ذی طویٰ کے مقام پر شب باش ہوتے یہ مقام اُن کنوؤں کے پاس ہے جن کو آبارِ زاہر کہتے ہیں۔ اب جس شخص کو ذی طویٰ میں رات بسر کرنا میسّر ہو اور مکہ شریف میں دن کے وقت داخل ہو اور داخل ہونے سے پہلے غسل کرلے تو ازیں چہ بہتر۔ لیکن اگر کسی نے ایسا نہ کیا، تب بھی کچھ مضائقہ نہیں۔

طریقۂ طواف اور دُعاء

مسجدِ حرام میں داخل ہو کر حاجی کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ بیت اللہ شریف کا طواف کرے

ما۔ حاشیہ کے لئے دیکھو صفحہ ۶۴

طواف کی ابتدا حجرِ اسود سے کرے۔ اُس کی طرف منہ کر لے، اُس کو ہاتھ سے چھوئے اور اگر ممکن ہو تو حجرِ اسود کو بوسہ دے۔ لیکن دھکم دھکّا کر کے دوسرے حاجیوں کو تکلیف نہ پہنچائے۔ اگر حجرِ اسود کو بوسہ دینا ممکن نہ ہو تو اس کو ہاتھ سے مس کر کے ہاتھ کو چُوم لے۔ اگر یہ بھی میسّر نہ ہو تو اس کی طرف اشارہ کرنا کافی ہے۔ یہ طواف کا آغاز ہے۔ اس کے بعد بیت اللہ شریف کو بائیں طرف رکھ کر اس کے گرد گھومنا شروع کرے۔ یہ ضروری نہیں کہ جانب یمن کے ہر دو رکن کے درمیان جائے اور پھر طواف شروع کرے۔ ضروری کیا بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ایسا کرنا مستحب بھی نہیں۔ جب حجرِ اسود کو ہاتھ لگائے تو کہے: بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اور اگر چاہے تو یہ کہے:

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۶۳) بیت اللہ شریف مسلمانوں کا قبلہ اور خانہ کعبہ ہے جسے سب سے اول حضرت آدم علیہ السلام نے اور پھر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے تعمیر کیا تھا۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اس کی از سرِ نو تعمیر ہوئی تو کمی سرمایہ کی وجہ سے قدیمی بنیادوں کی چھ گز کے قریب جگہ چھوڑ دی گئی جسے حطیم کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم کے وصال کے بعد خلیفہ عبداللہ بن زبیرؓ نے دوبارہ تعمیر کی تو حضور صلعم کی آرزو کے مطابق حطیم کو خانہ کعبہ میں شامل کر دیا اور حضرت خلیل اللہؑ کی بنیادوں پر عمارت بنادی۔ لیکن حجاج بن یوسف نے پھر کفارِ قریش کی طرز پر بنا دیا اور اس وقت تک اسی طرح قائم ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًا بِكَ وَ تَصْدِیْقًا بِکِتَابِكَ وَوَفَاءً بِعَھْدِكَ وَ اتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	بار خدایا! میں تجھ پر ایمان لایا ہوں اور تیری کتاب کی تصدیق کرتا ہوں اور تیرے عہد کی پابندی کرتا ہوں اور تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرتا ہوں،

بیت اللہ شریف کے گرد سات مرتبہ چکر لگائیے۔ یاد رکھو[۱] طواف کرتے وقت حطیم[۱] کے بیچ میں سے نہیں گزرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ حطیم دراصل بیت اللہ شریف کا ایک حصّہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم اس کے گرد چکر لگائیں، اس کے بیچ میں سے گزرنے کا نام طواف نہیں۔ شامی رکنوں[۲] کو ہاتھ نہ لگائیے صرف یمن کی جانب کے دونوں رکنوں یعنی کونوں کو ہاتھ لگانا چاہیئے یہ دونوں کونے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنا پر قائم ہیں اور آنحضرت صلعم نے طواف کرتے وقت اِن دونوں کو بھی اپنے دستِ مبارک سے چھوا ہے برخلاف اس کے شامی ہر دو رکن بیت اللہ شریف کی اصلی عمارت

---

[۱] میزابِ رحمت کے نیچے خانہ کعبہ کی شمالی طرف نصف دائرہ کی شکل میں سنگ مرمر کی ۴ فٹ بلند دیوار ہے۔ اس کے اندر کے حصہ کو حطیم کہتے ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کے وقت خانہ کعبہ کی عمارت میں داخل اور شامل تھی۔

[۲] بیت اللہ شریف کے وہ دو کونے جو شام کی طرف واقع ہیں۔ بالفاظ دیگر وہ دو کونے جو حطیم کی جانب ہیں۔

کے اندر واقع ہیں (حقیقۃً کونے نہیں ہیں)۔

الغرض حجرِ اسود کو چھوا بھی جائے اور بوسہ بھی دیا جائے اور دوسرے کونہ بیت اللہ شریف کا جو یمن کی طرف واقع ہے، اس کو ہاتھ لگایا جائے اس کو بوسہ نہ دے۔ لیکن وہ دونوں رکن جو شام کی طرف ہیں، اُن کو آدمی طواف کرتے وقت نہ تو ہاتھ لگائے اور نہ ہی بوسہ دے۔

مقامات خارج از طواف

یہ بھی یاد رکھو کہ بیت اللہ شریف کے باقی جوانب مقامِ ابراہیم[۲] روئے زمین کی جملہ مسجدیں ا...

---

[۱] حجرِ اسود، وہ مشہور و مقدس پتھر ہے جو حضرت جبرئیل[۴] جنّت سے لائے تھے اور حضرت آدم[۴] نے خانہ کعبہ کی دیواروں میں نصب کیا تھا۔ آجکل وہی پتھر بیت اللہ کے جنوب مشرقی گوشہ میں باب کعبہ کے پاس نصب ہے۔ اس سے خانہ کعبہ کا طواف شروع کیا جاتا ہے۔ یہ زمین سے ۴ فٹ بلند ہے۔ زائرین بیت اللہ حجرِ اسود کو بوسہ دیتے ہیں یا چھو کر برکت حاصل کرتے ہیں جو مسنون طریقہ ہے

[۲] مقامِ ابراہیمؑ، خانہ کعبہ کی مشرقی دیوار کے سامنے ایک جالیدار گنبد ہے جہاں بیت اللہ کے طواف کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے۔ قرآن میں حکم ہے واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّی (مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔) اس دوگانہ کے بعد طواف پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ یہ مقامِ ابراہیم درحقیقت وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کی دیواروں کو چنا تھا۔ اب یہ پتھر ایک قبّہ کے اندر رکھا ہوا ہے جو چار ستونوں کے اوپر کھڑا ہے اور اس کے گرداگرد پیتل کا ایک مربع مقصورہ ہے جس کا ہر ایک ضلع بارہ فٹ کے قریب ہے اور اس پر زرتار ریشمی پردہ لٹکا رہتا ہے۔ یہ غلاف بھی محمل کعبہ کے ساتھ ہر سال مصر سے تیار ہو کر آتا ہے۔ صرف ایک سال (۱۹۲۳ء) ہندوستان کے شہر امرتسر سے تیار ہو کر گیا تھا جب کہ سلطان ابن سعود نے اعلانِ ملوکیت کیا تھا

(خواہ مسجد بیت المقدس ہی کیوں نہ ہو) ، جملہ انبیاء علیہم السلام کی قبریں ، یا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا روضۂ اطہر یا جس کو مغارۂ ابراہیم کہا جاتا ہے ، یا مقام محمدؐ جہاں پر آنحضرت صلعم نماز پڑھا کرتے تھے ، اور صخرۂ بیت المقدس ، ان میں سے کسی جگہ کو نہ تو بوسہ دینا چاہیئے اور نہ ہی ان کو ہاتھ لگانا چاہیئے ۔ اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے

حرمتِ طواف ان جگہوں کا جو مقاماتِ مقدسہ کہلاتی ہیں (جن کی تفصیل مذکورہ بالا پیراگراف میں ہے) طواف کرنا حرام اور ایک عظیم ترین بدعت ہے۔[۱] جس شخص نے ایسے مقامات کے طواف کو دین سمجھ رکھا ہو ، اس سے توبہ کرانا چاہیئے اور اگر وہ تائب نہ ہو تو اس کا قتل کر دینا واجب ہے ۔ جن کھمبوں اور کھونٹیوں کے ساتھ کعبہ شریف کے غلاف کو باندھا جاتا ہے ، اگر کوئی شخص (تبرک کے طور پر) اُن پر ہاتھ رکھے تو اہل علم کا صحیح تر قول یہ ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں ۔ یہ کھمبے اور کھونٹیاں جن کے مجموعہ کو شاذروان کہا جاتا ہے ، بیت اللہ شریف کا حصہ نہیں ، بلکہ وہ صرف غلاف کو تھامنے کے لئے عمود ہیں ۔

رمل اور اضطباع کا استحباب طواف کرنے وقت مستحب یہ ہے کہ پہلے تین چکروں میں تیز تیز چلے ۔ اور اگر اژدحام کی وجہ سے تیز چلنا ممکن نہ ہو تو ایسا کرنے کے لئے مطاف ،

---

[۱] کیونکہ طواف بھی عبادت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے لئے مخصوص فرمایا ہے۔

کے کنارے چلا جانا مناسب ہے۔ کیونکہ بیت اللہ شریف کے قریب کی نسبت اُس کا یہ فعل (تیز تیز چلنا جس کو رَمل کہتے ہیں) افضل ہے ہاں اگر بیت اللہ شریف کے قریب رہ کر رمل کرنا ممکن ہو تو از چہ بہتر۔ سنت نبوی کو کامل طریقہ پر ادا کرنے سے اور کونسی بات افض ہو سکتی ہے؟ اگر کوئی شخص قبہ زمزم کے پیچھے سے ہو کر یا مسجد حرا کے برآمدہ کے اندر رہ کر طواف کرے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ جو شخص مس حرام میں نماز پڑھ رہا ہو اور لوگ اُس کے سامنے طوافِ کعبہ میں مشغو ہوں تو کچھ حرج نہیں، خواہ اُس کے آگے سے کوئی مردِ طواف کر ہوا گزر جائے یا اس کے سامنے سے عورت گزر رے۔ بہرحال اس کچھ مضائقہ نہیں، اور یہ عدم مضائقہ صرف مکہ معظمہ کے لئے مخصو ہے۔ اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ طواف کرتے وقت اضطباع کر اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی چادر کے درمیانی حصہ کو دائیں بغل کے نیچے رکھے اور اس کے دونوں اطراف کو بائیں کندھے پر ڈال دے۔ لیکن اگر کوئی شخص رمل اور اضطباع[1] کے بغیر طواف کرے تب بھی کچھ حر نہیں۔ (اتنی بات ضرور ہے کہ ایک امرِ مستحب کا ترک ہے)۔

---

[1] اضطباع کا مطلب یہ ہے کہ دائیں طرف کا شانہ کپڑے سے باہر نکلا ہوا ہو احرام کی چادر بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں شانہ پر ڈال دی جائے۔ اور رَمل آہستہ آہستہ دوڑنے کو کہتے ہیں۔ پہلے تین چکروں میں رَمل کرنا اور باقی چار پھیروں میں معمولی چال چلنا مسنون ہے۔ (ناشر)

[طوا]ف کرنے والے کی مشغولیت

طواف کی حالت میں مستحب ہے کہ خدائے پاک کی یاد میں مشغول رہے اور شروع [سے آخر تک کلمات طیبہ] میں پڑھے۔ اگر آہستہ آہستہ قرآن شریف کی تلاوت کرتا رہے تو [کوئی] مضائقہ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طواف کی حالت میں [کس]ی معین ذکر یا دُعا کی پابندی کرنا منقول نہیں۔ آپ کا قول اور [فعل] اس بارے میں ساکت ہے۔ بالفاظِ دیگر اس حالت میں طواف کرنے [وا]لے کو اختیار ہے کہ جس قسم کے اذکار میں مشغول ہو یا جس طرح پر دُعا [کر]ے بشرطیکہ اس کا وہ ذکر اور دعا، شرع کے خلاف نہ ہو۔ اور یہ [جو لو]گوں میں مشہور رہے کہ میزاب کے نیچے فلاں دُعا مانگے، وغیرہ وغیرہ [ا]س کی کچھ بھی اصلیت نہیں۔

البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب آپ طواف کرنے لگتے تو رکن یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان یہ دُعا پڑھتے:

[ر]بَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا [حَسَ]نَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً [وَّقِ]نَا عَذَابَ النَّارِ۔	پروردگارا! ہمیں دُنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

آپ کی عادت مبارک یہ تھی کہ عموماً ہر ایک دُعا کا خاتمہ اسی دعا [پر] فرمایا کرتے تھے۔ بہرحال اس پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ حالت طواف [می]ں کسی ذکر یا دُعا کی تعیین وجوب کے طور پر براہِ راست رسول اللہ [صل]ی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

طواف اور نماز کا فرق

طواف بعینہ نماز کی طرح ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ اس کے اثناء میں کلام کرنا ممنوع نہیں لیکن اس بات کی احتیاط ضرور ہے کہ منہ سے اچھی بات نکالے۔ اسی اصول کی بناء پر (کہ طواف نماز کے مشابہ ہے) یہ حکم دیا گیا ہے کہ بغیر طہارت کے طواف نہ کیا جائے۔ نہ تو جنبی ہو اور نہ بے وضو۔ اسی طرح حالتِ طواف میں سترِ عورت بھی لازم ہے، نیز یہ کہ طواف کرنے والے کا جسم اور کپڑے ہر طرح کی نجاست سے پاک ہوں۔

طواف کے لئے طہارت کی شرط

یاد رکھو، طواف کے لئے طہارت کی شرط میں اہلِ علم کا اختلاف ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوا کہ آپؐ نے اس کے شرط ہونے کے طور پر اس کی بابت حکم دیا ہو۔ اور نہ ہی آپؐ سے یہ منقول ہے کہ آپؐ نے کسی بے وضو شخص کو طواف کرنے سے منع فرمایا ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ خود آپؐ نے طہارت کے ساتھ طواف فرمایا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے حائضہ عورت کو طواف کرنے سے منع فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مفتاح الصلوٰة الطهور و تحريمها التكبير و تحليلها التسليم	نماز کی کنجی طہارت ہے، تحریم کا حکم تکبیر سے شروع ہوتا ہے اور اس کی تحلیل سلام سے ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طہارت کا وجوب اس نماز کے لئے مخصوص

ہے جس میں (بعض افعال منافی نماز کا) حکم تحریم تکبیر سے شروع ہوتا ہے اور اس کا خاتمہ سلام پر ہے۔ اب اس کا اطلاق یا تو اس نماز پر ہوگا جو رکوع و سجود پر مشتمل ہے (یعنی عام نماز ہائے پنجگانہ) یا مثلاً نماز جنازہ اور سجدۂ سہو۔ لیکن سجدۂ تلاوت اور طواف اس کے مفہوم میں داخل نہیں۔ اعتکاف میں بیٹھنے کے لئے مسجد شرط ہے۔ لیکن باتفاق اہل علم طہارت شرط نہیں۔ جو عورت اعتکاف کر رہی ہو اور اس کے ماہواری ایام شروع ہو جائیں تو اس کو مسجد سے نکل جانا چاہیئے۔ حالتِ حیض میں اس کا مسجد میں بیٹھنا ممنوع ہے اگرچہ یہ ایک معلوم بات ہے کہ بے وضو ہونے کی حالت میں عورت کے لئے مسجد میں بیٹھنا منع نہیں۔

بے وضو طواف

امام احمد بن حنبلؒ سے اُن کے بیٹے عبداللہ نے روایت کی ہے کہ شعبہ نے حماد اور منصور سے پوچھا: اگر کوئی شخص بے وضو ہونے کی حالت میں بیت اللہ شریف کا طواف کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ دونوں نے کہا: کچھ مضائقہ نہیں۔ عبداللہؒ کہتا ہے۔ میں نے اپنے باپ سے پوچھا۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا:

احب الی ان لا یطوف بالبیت وھو غیر متوضی لان الطواف بالبیت صلوٰۃ۔	میں تو یہ پسند نہیں کرتا کہ آدمی بے وضو بیت اللہ کا طواف کرے۔ کیونکہ بیت اللہ کا طواف کرنا نماز ہے۔

طواف کے لئے طہارت کے وجوب اور اُس کے شرط ہونے کے متعلق امام احمدؒ سے روایت مختلف ہے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہؒ کے مذہب میں بھی ایک قول یہی ہے۔ لیکن مذہب امام ابو حنیفہؒ میں اس پر اتفاق ہے کہ طواف کے لئے طہارت شرط نہیں۔

خلافِ سنّتِ نبویؐ جو شخص جُرابیں وغیرہ پہن کر طواف کرتا ہے، تاکہ مسجدِ حرام کے کبوتروں کے پیخال پر پاؤں نہ پڑ جائے یا اپنے ہاتھوں کو اس لئے ڈھانپتا ہے کہ اس کا ہاتھ کسی عورت سے نہ چھو جائے۔ اور اسی طرح بعض دوسری حرکات کرتا ہے، جو سنتِ نبویؐ کے خلاف ہوں، تو یہ غلط ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ ہمیشہ بیت اللہ شریف کا طواف کرتے تھے۔ اسی طرح تابعین بھی طواف کرتے رہے، اور مسجدِ حرام میں کبوتر بھی موجود تھے (لیکن کسی کو بھی یہ خیال نہیں آیا جو اس ضرورت سے زیادہ متقی کے دماغ میں سمایا ہے) احتیاط اچھی بات ہے لیکن نہ اس حد تک کہ آدمی سنتِ نبوی کی مخالفت کرنے لگے۔ اگر سنّت کی خلاف ورزی ہونے ہوئے بھی آدمی اپنی مزعومہ احتیاط کو نہ چھوڑے[۱] اس سے بڑھ کر اور کیا غلطی ہو سکتی ہے!

---

[۱] سعدی شیرازیؒ نے کیا خوب کہا ہے: ؎

بصدق وصفا کوش و ورع و تقیٰ ولیکن میفزائے بر مصطفیٰ

(سچائی، تصوف اور تقوی و پرہیزگاری میں کوشش کر لیکن انہیں آنحضرتؐ سے بڑھانے کا خیال دل میں نہ لا)۔

جُوتا پہن کر طواف

یاد رکھو، جس بات سے بھی سنّتِ نبوی کی مخالفت ہوتی ہو، وہ یقیناً غلط ہے۔ مثلاً جو شخص نمازِ فرض ادا کرنے کے لئے جُوتا اُتارنا ہے یا نمازِ جنازہ کے لئے جوتا اُتارنا ضروری خیال کرتا ہے، اس خوف سے کہ شاید اس میں نجاست لگی ہو یہ فعل اس کا سنتِ نبوی کے خلاف ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جوتا پہنے ہوئے نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ:

ان الیہود لا یصلّون فی نعالھم فخالفوھم	یہودی لوگ جُوتوں سمیت نماز نہیں پڑھتے تم ان کی مخالفت کرو (یعنی جُوتے پہن کر نماز ادا کیا کرو)

یہ بھی آپؐ کا ارشاد ہے کہ:

اذا اتی المسجد احدکم فلینظر فی نعلیہ فان کان فیھما اذی فلیدلکھما فی التراب فان التراب لھما طھور۔	جب کوئی تم میں سے نماز کے لئے مسجد میں آئے تو وہ اپنے جوتوں کو دیکھ لیا کرے اگر ان پر نجاست لگی ہے تو اُن کو مٹی سے مل لے۔ مٹی کے ساتھ رگڑنے سے وہ پاک ہو جاتے ہیں۔

اور جب جوتوں سمیت نماز پڑھنا جائز ہے تو جوتوں سمیت طواف کرنا یقیناً جائز ہو گا۔

سواری پر طواف

اگر کسی شخص کے لئے اپنے پاؤں چل کر طواف کرنا ممکن نہ ہو اور وہ سواری کی پیٹھ پر بیٹھ کر طواف

کرے یا کوئی دوسرا شخص اس کو اٹھا کر طواف کرائے، تو یہ جائز ہے اس پر اہلِ علم کا اتفاق ہے۔

حائضہ اور سلسل البول والے کا طواف

اسی طرح اگر کوئی شخص طواف کے لوازم اور واجبات کی پابندی کرنے سے معذور ہو، مثلاً نجاست کو اپنے سے دُور کرنا اُس کے لئے ممکن نہ ہو، جیسے وہ عورت جو استحاضہ کے عارضہ میں مبتلا ہو، یا کسی کو قطرہ قطرہ پیشاب آتا ہو، جسے سلسل البول کہتے ہیں۔ ایسا شخص اگر اسی حالت میں طواف کرے تو کچھ حرج نہیں۔ ائمہ کرامؒ کا اس پر اتفاق ہے۔

برہنہ طواف

اسی طرح اگر کسی کو کپڑا میسر نہیں آتا اور وہ رات کی تاریکی میں برہنہ ہی طواف کرتا ہے تو یہ جائز ہے، بعینہ جس طرح کہ ایسی حالت میں بوقتِ ضرورت نماز جائز ہے۔

جوازِ طواف اور کفارت

علیٰ ہٰذا القیاس جو عورت حائضہ ہے اور مکہ شریف میں وہ زیادہ ٹھیر نہیں سکتی اور طواف فرض اس نے ادا نہیں کیا، تو اہلِ علم کا ایک قول یہ ہے کہ اسی ناپاک حالت میں اس کے لئے طواف کرنا جائز ہے، باوجودیکہ ان کے نزدیک طواف کے لئے طہارت شرط ہے۔ لیکن یاد رکھو! جو عورت ماہواری ایام کی حالت میں یا کوئی شخص جنابت کی حالت میں یا بے وضو یا نجاست اٹھائے ہوئے طواف کرلے، تو اگرچہ اُس کا

طواف جائز ہے، لیکن اس کی کفارت ادا کرنا لازم ہے۔ جس شخص نے بے وضو طواف کیا ہے، وہ بھیڑ بکری کی قربانی کرے اور جس نے جنابت یا ماہواری ایام کی حالت میں طواف کیا، وہ اونٹ (یا گائے بیل) قربان کرے۔

طواف مشابہ نماز نہیں ماہواری ایام کی حالت میں طواف ناجائز ہونے کی بعض علماء نے یہ توجیہ کی ہے کہ طواف نماز کے مشابہ ہے۔ بعض دوسرے اہل علم اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ طواف مسجد حرام کے اندر ہوتا ہے اور حائضہ عورت کے لئے مسجد کے اندر جانا منع ہے جس طرح کہ اس کو اعتکاف سے اسی لئے منع کیا گیا ہے کہ اعتکاف مسجد ہی میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرمایا تھا کہ:

طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ (۲ : ۱۲۵)	میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف بیٹھنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے لئے پاک صاف رکھو۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کے لئے ماہواری ایام کی حالت میں مسجد حرام کے اندر داخل ہونا منع ہے۔

طواف، نماز، اعتکاف اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ طواف کے لئے وہ تمام باتیں ضروری نہیں جو نماز کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً تکبیر تحریمہ کے ذریعہ اس کے اندر داخل

ہونا اور سلام کے ذریعے باہر آنا یا قرأت اور اذکارِ مخصوصہ کا پڑھنا وغیرہ۔ اسی طرح طواف کی حالت میں کچھ کھانا پینا یا کلام کرنا یا ادھر ادھر دیکھنا منع نہیں اور نہ ہی ان باتوں سے طواف باطل ہوتا ہے۔

اب جن علماء نے حائضہ عورت کیلئے طواف کے ممنوع ہونے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ چونکہ مسجد کے احترام کے لئے اس کو مسجد کے اندر جانا منع ہے، اس لئے اس کو طواف سے منع کیا گیا۔ ان علماء کے قول کا مقتضا یہ ہے کہ بغیر طہارت کے طواف کرنا یا بالفاظِ دیگر حائضہ کے لئے طواف کرنا بوقتِ ضرورت جائز ہے۔ بعینہٖ جس طرح کہ بوقتِ ضرورت اس کے لئے مسجد کے اندر جانا جائز ہے مندرجہ بالا آیہ میں اللہ تعالیٰ نے طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے لئے (یکساں طور پر) تطہیرِ بیت کا حکم دیا ہے حالانکہ اعتکاف کے لئے طہارت شرط نہیں، حتیٰ کہ جملہ اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص اعتکاف میں بیٹھا ہو، اس کے لئے بے وضو رہنا کچھ مضر نہیں اور جس عورت کو اعتکاف کی حالت میں حیض آ جائے۔ اگر ضرورت ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ مسجد میں ٹھہری رہے اور فوراً مسجد سے باہر نہ نکلے۔ آیت میں لفظ (الرکع السجود) سے مراد نماز پڑھنے والے ہیں اور نماز کے لئے طہارت کی شرط ہونے پر اہلِ علم کا اتفاق ہے، اور حائض کے لئے نماز پڑھنا کسی حالت میں جائز نہیں۔ نہ تو اپنے وقت پر نماز پڑھ سکتی ہے اور نہ اس کی قضا لازم آتی ہے۔

اجتہادی مسئلہ

اب سوال یہ ہے کہ طواف کرنے والے کو (احکام کے لحاظ سے) کسی قسم کے ساتھ ملایا جائے، اس کو معتکف کی طرح سمجھا جائے یا نمازی کی طرح خیال کیا جائے؟ یا کہ وہ ایک تیسری قسم ہے جس کے احکام ان دونوں سے علیحدہ ہیں؟ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے، اور یہ جو مشہور ہے کہ "اَلطَّوَافُ صَلٰوۃٌ" (طواف نماز ہی ہے) یہ حدیث نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول ثابت نہیں ہوا۔ یہ قول ابن عباسؓ کا ہے اور بعض نے اس کو مرفوع بھی کہا ہے (جو صحیح نہیں)

بعض فقہاء نے ابن عباسؓ سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب کوئی شخص جنابت کی حالت میں طواف کرے تو اس پر قربانی کرنا لازم ہے۔ یقیناً اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض وجوہ سے وہ نماز کی مانند اور اس کے مشابہ ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ ہمہ وجوہ نماز کی مانند ہے اور اس کے لئے نماز کی طرح طہارت (وضو) شرط ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض حدیثیں اس قسم کی ہیں (جن سے جزوی مشابہت مراد ہے) مثلاً آپ کا ارشاد ہے:

ان اتی احدکم المسجد فلا یشبک بین اصابعہ فانہ فی الصلوٰۃ۔	جب کوئی شخص مسجد کو جائے تو اپنی انگلیوں کو ایک دوسری میں نہ ڈالے، کیونکہ وہ نماز میں ہے۔
انّ العبد فی صلوٰۃ ما کانت الصّلوٰۃ تحبسہ دما	ایک شخص جبتک کہ وہ نماز ہی کی وجہ سے مسجد میں رکا ہوا ہو یا جس حالت میں وہ نماز

دام ينتظر الصلوٰة و ما كان يعمى الصلوٰة -	كا انتظار کر رہا ہو یا نماز کا ارادہ کر رکھا ہو وہ نماز ہی میں ہے -

اسی طرح اور بھی کئی حدیثیں ہیں

جواز بحالت مجبوری چنانچہ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حائض کو چاہیئے کہ وہ بے وضو اور بلا طہارت طواف نہ کرے ورنہ اس کا طواف ناجائز ہو گا۔ اگر کوئی عورت ایسی حالت میں مکہ شریف پہنچے کہ اس کو ماہواری ایام آ رہے ہوں تو وہ بیت اللہ کا طواف کرے عرفات کے میدان میں کھڑی ہو اور حج کے دوسرے مناسک ادا کرتی رہے صرف طواف نہ کرے بلکہ یہاں تک انتظار کرے کہ وہ پاک ہو جائے - اس کے بعد وہ طواف کرے لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو اور وہ طواف کرنے پر مجبور رہو مثلاً قافلہ اس کی خاطر نہیں رک سکتا) ایسی حالت میں اگر وہ طواف کرے تو اہل علم کا صحیح قول یہ ہے کہ اس کا طواف کر لینا جائز ہے

بعد از طواف دو رکعت نماز جب آدمی طواف سے فارغ ہو، تو دو رکعت نفل ادا کرے مقام ابراہیم کے پاس یہ دوگانہ ادا کرنا افضل اور احسن ہے- مستحب یہ ہے کہ ان دو رکعتوں میں بالترتیب قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ پڑھے ۔ دوگانہ سے فارغ ہو کر مستحب یہ ہے کہ حجر اسود کو ہاتھ لگائے اور پھر مسجد حرام سے نکل کر صفا اور مروہ کے میان چکر کاٹنے میں لگ جائے ۔ یہ بھی جائز ہے کہ صفا اور مروہ کا

چکر کاٹنا طوافِ افاضہ کے بعد ہو[1]۔

حج میں تین طواف

حج کے سلسلہ میں تین طواف کئے جاتے ہیں۔ ایک وہ جبکہ آدمی پہلے پہل مکہ شریف میں داخل ہوتا ہے۔ اس کا مشہور نام طوافِ قدوم ہے۔ دوسرا طواف وہ ہے جو میدانِ عرفات میں کھڑا ہونے کے بعد کیا جاتا ہے۔ اس کو طوافِ افاضہ اور طواف الزیارۃ کہتے ہیں۔ یہ طواف کرنا فرض ہے اور اس کا کرنا بے حد ضروری ہے۔ اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ (۲۲ : ۲۹)	اس کے بعد (قربانی کرنے کے بعد) اپنی میل کچیل دور کریں، اپنی منتیں پوری کریں اور پرانے (باعزت) گھر کا طواف کریں۔

تیسرا طواف وہ ہے جبکہ آدمی حج ادا کر کے مکہ شریف سے نکلنے لگے۔ اس کو طواف الوداع کہتے ہیں۔ ان تینوں میں سے کسی کے پیچھے صفا اور مروہ کے چکر کاٹ لے۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی[2]

صفا اور مروہ کے چکر کاٹنے کے لئے آدمی کو باب الصّفا سے نکلنا چاہیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صفا اور مروہ کے ٹیلوں کے اوپر چڑھ جاتے تھے

---

[1] قربانی کے دن جو طواف کیا جاتا ہے، اس کو طوافِ افاضہ کہتے ہیں۔

[2] صفا اور مروہ دو پہاڑیاں تھیں جو قدیم زمانہ میں خانہ کعبہ کے شمال مشرق

جو مکہ معظمہ کی دو پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہیں۔ ٹیلے پر چڑھ کر آپ تہلیل[1] و تکبیر کہنے میں مشغول ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے۔ آج کل یہ ٹیلے چبوترے کی طرح بنے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی شخص چبوترے سے نیچے اس کے قریب کھڑا ہو جائے تو کچھ حرج نہیں۔ چبوترے کے اوپر چڑھنا ضروری نہیں۔ صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر کاٹے۔ صفا کے ٹیلے سے شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے۔ جو وادی بیچ میں پڑتی ہے، اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک دوڑ لگانا مستحب ہے۔ نشان کے لئے برجیاں بنی ہوئی ہیں۔ لیکن اس پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص صفا سے مروہ تک برابر آہستہ آہستہ چلتا ہے اور دوڑے نہیں، تب بھی جائز ہے اور کسی قسم کا کفارہ اس پر عاید نہیں ہوتا۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۷۹) میں واقع تھیں لیکن اب اُن کے صرف نشان ہی باقی رہ گئے ہیں جہاں چھوٹی چھوٹی بُرجیاں نصب کر دی گئی ہیں۔ یہ وہی پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں اُس وقت دوڑی تھیں جب حضرت ابراہیمؑ اُنہیں شیر خوار بچے حضرت اسمٰعیلؑ سمیت بے آب و گیاہ ریگستانِ حجاز میں اکیلا چھوڑ گئے تھے۔ اُن کا دوڑنا خداوند عالم کو اس قدر پسند آیا کہ آپ کی پیروی میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا رکنِ حج قرار پایا۔ قرآن میں ہے: ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح ان یطوف بھما ۲/۱۵۸ (صفا اور مروہ شعائر اللہ ہیں، حج یا عمرہ کرنے والوں کو ان کا طواف کرنا چاہیئے)۔

[1] تہلیل = لا الٰہ الا اللہ کہنا اور تکبیر = اللہ اکبر کہنا۔

صفا اور مروہ کے چکر کاٹنے سے فارغ ہونے کے بعد نفل پڑھنا ثابت نہیں سنتِ نبوی سے صرف طواف کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا ثابت ہے اور جمہور ائمہ اور سلف صالحین کا اس پر اتفاق ہے

احرام کھولنا

جب صفا اور مروہ کے چکر کاٹ چکے تو احرام کھول دے اور حلال ہو جائے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں سوائے اُن چند اصحاب کے جو قربانی ساتھ لائے تھے سب کو حکم دیا تھا کہ:

لما طافوا بهما ان يحلوا الا من كان معه هدى فلا يحل حتى ينحره۔	جب ان دونوں (صفا اور مروہ) کا طواف کر لو تو حلال ہو جاؤ مگر جن کے ساتھ قربانی کے جانور ہیں جب تک انہیں قربانی نہ کر لیں، انہیں حلال نہیں ہونا چاہیئے۔

احرام کھولتے وقت بہتر یہ ہے کہ صرف بال کتروا دے منڈوا دے نہیں سر کا منڈانا اس وقت ملتوی کر دے کہ عرفات اور مزدلفہ سے واپس آجائے۔ بالفاظِ دیگر حج کا احرام کھولنے کے لئے سر منڈوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ایسا ہی ارشاد فرمایا تھا:

واذا احل حل له ما حرم عليه بالاحرام۔	جب احرام کھل جائے، تو تمام باتیں جائز ہو جاتی ہیں جو احرام کی وجہ سے ناجائز تھیں

فصل ۸

طریقہ اداے حج

مکہ سے روانگی منیٰ[1] ترویہ کے دن یعنی آٹھویں ذوالحجہ کی صبح کو حج کے لئے اسی صورت پر احرام باندھے جس طرح کہ میقات پر احرام باندھا جاتا ہے۔ یہ اس کی اپنی مرضی پر منحصر ہے کہ مکہ شریف کے اندر احرام باندھے یا مکہ شریف سے نکل کر باندھے۔ یہی قول ٹھیک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے آپ کے ارشاد کے مطابق بطحاء سے احرام باندھا۔ سنت یہ ہے کہ جہاں آدمی کا ڈیرہ ہو، وہیں سے احرام باندھے۔ جو شخص مکہ شریف کا باشندہ ہے، وہ اپنے گھر سے احرام باندھے۔ کیونکہ نبی کریم صلعم کا ارشاد ہے کہ

من کان منزلہ دون مکۃ فمھلہ من اھلہ حتی اھل مکۃ یھلون من مکۃ۔	جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہیں وہ لوگ اپنے گھروں سے احرام باندھیں یہاں تک کہ مکہ شریف کے باشندے مکہ شریف ہی سے احرام باندھیں۔

شب باشی اور کوچ سنت یہ ہے کہ حاجی لوگ منیٰ میں شب باش ہوں ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء اور دوسرے دن کی

[1] منیٰ مکہ معظمہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر جنوب مشرق کی جانب ایک چھوٹا سا گاؤں

صبح کی نماز وہاں پڑھیں اور جب تک سورج طلوع نہ ہو مِنٰے سے کوچ نہ کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔ اس پر اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ وہاں آگ جلانے کی رسم ایک مکروہ بدعت ہے آگ جلانا خاص طور پر مزدلفہ[۱] کے مقام پر ثابت ہے جبکہ لوگ عرفات[۲] سے واپس

(حاشیہ صفحہ ۸۲)۔ میدان ہے جو تقریباً دو میل لمبا اور ایک میل چوڑا ہوگا۔ جہاں جہاں اب دکانیں بن گئی ہیں۔ عہدِ رسالت میں یہ ایک صاف چٹیل میدان تھا۔ یہ جگہ حدِ حرم میں داخل ہے اور حج کے بہت سے مناسک یہاں ادا کئے جاتے ہیں۔ اس کا نام اس لئے مِنٰی رکھا گیا کہ یہاں قربانیوں کا خون بہایا جاتا ہے اور منٰی کے لغوی معنے بہانے کے ہیں۔ اس کی حد جمرۃ العقبہ سے وادیٔ محسر تک ہے۔

[۱] مزدلفہ منٰے کے مشرقی جانب میں چار میل کے فاصلہ پر ایک کشادہ میدان ہے۔ یہ جگہ حرم بھی ہے اور مشعر بھی۔ یہاں ۱۰ ذی الحجہ کو میدان عرفات سے واپسی پر رات کو رہنا مناسکِ حج میں سے ہے۔ مزدلفہ ازدلاف سے مشتق ہے جس کے معنی اجتماع و تقرب کے ہیں۔ یہاں سب حاجی جمع ہوتے ہیں، اس لئے اس کا نام مزدلفہ رکھا گیا۔ اس کا دوسرا نام جمع بھی ہے۔

[۲] مکہ معظمہ سے پندرہ میل کے قریب مزدلفہ سے مشرقی جانب ایک وسیع ریگستانی میدان ہے جسے میدانِ عرفات کہتے ہیں۔ جس کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں۔ اس کے عین وسط میں جبلِ رحمت ہے، جہاں خطبۂ حج پڑھا جاتا ہے۔ اس میدان کے ایک طرف وادیٔ عرفہ ہے۔ دوسری طرف قریۂ عرفات تیسری طرف جبالِ عرفہ اور چوتھی طرف مشرقی سڑک ہے عرفات حج کا رکنِ اعظم

آتے ہیں۔ منیٰ اور عرفہ دونوں مقامات میں آگ جلانا بدعت ہے۔ منیٰ سے روانہ ہو کر نمرہ کو ضب کے راستہ سے جائیں (جو آج کل طریق قناطر کے نام سے مشہور ہے)۔ نمرہ ایک بستی کا نام ہے جو میدانِ عرفات کے باہر دائیں طرف واقع ہے۔ آنحضرت صلعم کی سنّت کے مطابق وہاں پر سورج ڈھلنے تک ٹھہریں۔ اس کے بعد بطن وادی کی طرف چلیں۔ جہاں پر کہ آنحضرت صلعم نے ظہر اور عصر کی نماز بیک وقت پڑھی اور خطبہ دیا۔ یہ جگہ عرفات کے حدود میں ہے اور بطن عرفہ میں واقع ہے۔ وہاں پر ایک مسجد ہے جس کو مسجدِ ابراہیم کہتے ہیں۔ اس مسجد کی تعمیر خلافت عباسیہ کی ابتدا میں ہوئی۔ اس مقام پر ظہر اور عصر کی دو دو رکعت پڑھنی چاہئے، جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی تمام حجاج خواہ وہ باہر کے ہوں یا مکہ کے باشندے ہوں، نماز قصر کر کے پڑھیں۔ امام کے پیچھے دو رکعت ادا کریں اور دونوں نمازوں کو اکٹھا کر کے ادا کریں۔ آنحضرت صلعم نے اونٹنی پر سوار ہو کر یہ خطبہ دیا۔ اسی طرح اب بھی امام الحج خطبہ دے اور خطبہ ہو چکے تو مؤذن اذان دے۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۸۳) ہے۔ نویں ذی الحجہ کو اگر حاجی وہاں نہ پہنچے تو اس کا حج نہ ہوگا۔ جنت سے ہبوط کے بعد سب سے پہلی مرتبہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہا السلام کی ملاقات اسی میدان میں ہوئی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دونوں کا تعارف کرایا۔ اختلافِ آب و ہوا کے باعث ان کے حلیے متغیر ہو چکے تھے اور وہ ایک دوسرے سے ناآشنا ہو چکے تھے۔

پھر اقامت کہے اور نماز پڑھی جائے یہی سنّتِ نبوی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

نمازِ قصر کا حکم

منیٰ اور عرفات اور مزدلفہ تینوں مقامات پر قصر کیا جاتا ہے، اہلِ مکہ اور غیر اہلِ مکہ سب کا ایک ہی حکم ہے یعنی نماز کو قصر کر کے پڑھیں۔ اسی طرح عرفات اور مزدلفہ میں دو دو نمازیں اکٹھی پڑھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اہلِ مکہ نے منیٰ اور عرفات اور مزدلفہ میں قصر کیا۔ ابوبکر صدیق اور حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں بھی یہی عملدرآمد رہا۔ آنحضرت صلعم اور شیخین (حضرت صدیق اور عمر فاروق) بلکہ خلفائے راشدین نے اہلِ مکہ میں سے کسی کو بھی یہ نہیں کہا کہ تم اپنی نماز پوری کر لو۔ اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے منیٰ اور عرفات اور مزدلفہ میں اہلِ مکہ سے یہ کہا: (اتموا صلوٰتکم فانا قوم سفر) تم اپنی نماز پوری کر لو، کیونکہ ہم مسافر ہیں۔ جس نے ان سے یہ قول نقل کیا ہے اس نے غلطی کی ہے۔ جو کچھ آنحضرت صلعم سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ غزوۂ فتح میں جب آپؐ نماز پڑھ چکے تو آپؐ نے اہلِ مکہ سے مخاطب ہو کر یہ الفاظ فرمائے تھے۔ لیکن حج کے لئے جب آپؐ تشریف لائے، اس وقت تو آپؐ نے مکہ میں قیام ہی نہیں فرمایا، بلکہ مکہ کے باہر آپ نے پڑاؤ کیا۔ وہاں آپؐ نے اپنے قیام گاہ میں آپؐ اپنے صحابہؓ کو (جو آپؐ کے ہمرکاب تھے) نماز پڑھایا کرتے تھے۔ جب آپؐ حج کے مناسک

ادا کرنے کے لئے منیٰ کو روانہ ہوئے تو اہلِ مکہ وغیرہ بھی آپؐ کے ہم رکاب چلے۔ جب آپؐ عرفات سے واپس تشریف فرما ہوئے، تو یہ لوگ آپؐ کی معیت میں واپس ہوئے۔ جب آپؐ منیٰ میں تشریف رکھتے تھے، تب بھی یہ لوگ آپؐ کے ساتھ تھے۔ اس اثناء میں کبھی آپؐ نے ان سے یہ نہیں فرمایا کہ اتموا صلوٰتکم انا قوم سفر، تم اپنی نماز پوری کر لو۔ کیونکہ ہم مسافر ہیں۔

سفر کے لئے مسافت اور دنوں کی تعیین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کے لئے نہ تو کوئی مسافت مقرر فرمائی ہے اور نہ ہی دنوں کے ذریعہ اس کی تعیین کی ہے۔ آپؐ کے عہدِ مبارک میں منیٰ میں کوئی آبادی نہ تھی۔ اسی بنا پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ منیٰ میں جو کوئی پہلے اپنا ڈیرہ جما لے، وہی اس کا ڈیرہ ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضؓ خلیفہ ثالث کے عہد میں یہ جگہ آباد ہو گئی تھی، اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان رضؓ منیٰ میں پوری نماز پڑھتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ مسافر اس کو کہتے ہیں جس کے پاس زادِ راہ اور مشکیزہ ہو (ان چیزوں کو ساتھ لئے پھرنے کی اس کو ضرورت ہو)۔

روانگیِ عرفات اور اتباعِ سنت

اس کے بعد حجاج عرفات کو جائیں لیکن آج کل عام طور پر لوگ نہ تو نمرہ کو جاتے ہیں اور نہ وہاں جاتے ہیں جہاں آنحضرت صلعم نے نماز ادا فرمائی۔ بلکہ مازمین کے راستہ سے جاتے ہیں اور شور رنج ڈھلنے

سے پہلے عرفات میں پہنچ جاتے ہیں۔ بعض لوگ تو نویں کی صبح تک بھی انتظار نہیں کرتے ۔ نویں ذی الحجہ کی رات کو وہاں عرفات میں پہنچ کر شب باش ہو جاتے ہیں۔ یہ باتیں ایسی ہیں کہ آدمی کا حج تو ہو جاتا ہے لیکن اتباعِ سنت کی سعادت سے محروم رہتا ہے۔ اس لئے آدمی کو چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہو، اتباعِ سنت میں کوتاہی نہ کرے۔ چنانچہ ظہر اور عصر دونوں نمازوں کو اکٹھا باجماعت پڑھا جائے۔ اذان تو ایک دفعہ ہی ہو لیکن اقامت ہر ایک نماز کے لئے الگ الگ کہی جائے۔

آگ جلانے کی بدعت

عرفات میں آگ جلانا ایک مکروہ بدعت ہے اور جیسے کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے منٰے میں بھی آگ جلانا مکروہ بدعت ہے۔ اس پہ اہلِ علم کا اتفاق ہے آگ جلانا مزدلفہ کی خصوصیت ہے جبکہ حجاج عرفات سے واپس ہوں۔

عرفات سے بعد از شام واپسی

عرفات میں اس وقت تک ٹھہرا رہنا چاہیئے کہ آفتاب غروب ہو جائے۔ آفتاب غروب ہو جانے کے بعد اگر چاہیں تو دو بُرجیوں کے بیچ میں سے چلیں یا اُن کے پہلو میں چلیں۔ یہ دونوں بُرجیاں عرفات کے حدود کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس لئے جب تک سورج غروب نہ ہو ان سے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے۔ آگے بڑھ کر دو بُرجیاں اور دکھائی دیتی ہیں وہ مزدلفہ کی حد ہے۔ پہلی اور ان مؤخر الذکر بُرجیوں کے درمیان جو جگہ ہے وہ بطنِ عرفہ کہلاتی ہے۔

وقوف و اشتغال میدانِ عرفات عرفہ کی شام یا یوں کہئے عرفہ کی سہ پہر کو اذکار اور دعوات میں بسر کرے اور اس بارے میں نہایت کوشش کی جائے (کہ ایک لمحہ بھی غفلت میں ضائع نہ ہو)

اُس دن جس قدر شیطان ذلیل اور حقیر ہوتا ہے، اس سے بڑھ کر وہ کبھی ذلیل نہیں دیکھا گیا، اور لوگوں کو یادِ خدا میں مشغول دیکھ کر اور اُس کی طرف توجہ پاکر وہ اس قدر غصّے سے بھر جاتا ہے کہ آگے پیچھے کبھی اس کہ ایسی حالت پیش نہیں آتی۔ کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت موسلا دھار بارش کی طرح دھڑا دھڑ نازل ہو رہی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے بڑے بڑے گناہ معاف فرما رہا ہے۔ ہاں اس قسم کی حالت اس کو اس دن بھی پیش آئی جبکہ اس نے بدر کے دن جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ فرشتوں کی کمان کر رہا ہے[1]۔

عرفات کے میدان میں حائضہ عورت غیر حائضہ کے دوش بدوش کھڑی ہو سکتی ہے، اور جس طرح آدمی پاؤں پر کھڑے رہ کر وقوفِ عرفات کا فرض بجا لاتا ہے، اس طرح یہ فریضہ کسی سواری کی پیٹھ پر بھی ادا ہو سکتا ہے۔ رہا افضلیت کا سوال! مختلف حالات کے لحاظ سے اس کا جواب بھی مختلف ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر لوگ اس کے دیکھنے کے محتاج ہیں اور اس کو دیکھنا چاہتے ہیں[2]۔ یا پاؤں پر کھڑا رہنا اس پر بہت

---

[1] یہ آنحضرت صلعم کی حدیث صحیح کا ٹھیک ٹھیک مفہوم ہے۔

[2] رسول خدا صلعم کا اونٹنی پر سوار ہو کر یہ فریضہ ادا کرنا اسی نکتہ کے لئے تھا۔

شاق گزرتا ہے تو اس کو سواری کی پیٹھ پر رہنا مناسب ہے۔ آنحضرت صلعم نے سواری پر ہی یہ فریضہ ادا فرمایا تھا۔ اسی طرح حج کو پیدل بجا لانا یا سوار ہو کر ادا کرنا ایسے ہی وجوہ کی بنا پر افضل یا غیر افضل سمجھا جا سکتا ہے۔ بعض لوگوں کے حق میں پیدل حج کرنا زیادہ اجر و ثواب کا موجب ہوتا ہے اور بعض کے حق میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا سوار ہو کر حج کرنا افضل ہے۔

عرفہ کی سہ پہر کے لئے جبکہ آدمی عرفات کے میدان میں کھڑا ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اذکار اور دعوات کی تعیین نہیں فرمائی آدمی خود جو ذکر اور دُعاء پڑھنا چاہے اس کو اختیار ہے۔ بشرطیکہ اس کے الفاظ شرع کے خلاف نہ ہوں۔ تکبیر اور تہلیل میں مشغول رہے۔ اور مختلف طریقوں پر خدائے پاک کا ذکر کرتا رہے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے۔

بدعاتِ غسل اور صعود جبلِ رحمت ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے عرفات کے میدان میں کھڑا ہونے کے لئے غسل کیا۔ اسی طرح ابن عمرؓ وغیرہ سے بھی غسل کرنا منقول ہے۔ آنحضرت صلعم اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ سے حج کے دوران میں صرف تین موقعوں پر غسل کرنا ثابت ہے:

(۱) جس وقت احرام باندھے۔ (۲) جب مکہ معظمہ میں داخل ہونے لگے۔
(۳) عرفات کے میدان میں کھڑا ہونے کے لئے۔

رمیِ جمار (کنکر پھینکنا)، طواف اور مزدلفہ میں شب باش ہونے کے لئے غسل کرنے کی کوئی اصلیت نہیں۔ نہ تو آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ کرامؓ سے منقول ہے اور نہ ہی ائمہ فقہ نے اس کو مستحب بتایا ہے۔ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کسی نے بھی اس کو مستحب نہیں کہا البتہ امام احمدؒ کے مذہب کے بعض متاخرین فقہاء نے اس کا ذکر کیا ہے۔ میرے نزدیک ان تقریبات پر غسل کرنا بدعت ہے۔ ہاں البتہ یہ اور بات ہے کہ غسل کے استحباب کی کوئی اور تقریب موجود ہو، مثلاً میل کچیل کی وجہ سے اس کا جسم اس قدر بدبودار ہو گیا ہو کہ نہانا ضروری سمجھا جائے تاکہ لوگ اس کی بدبو سے اذیت نہ پائیں۔ عرفات کے میدان میں آدمی ہر ایک جگہ پر وقوف کر سکتا ہے، کسی جگہ کی تخصیص نہیں۔ صرف بطن عرنہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں کھڑا ہونے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ جو پہاڑ وہاں پر موجود ہے، اس پر چڑھنا سنت نہیں۔ یہ وہ پہاڑ ہے جس کو عام طور پر جبل الرحمۃ کہا جاتا ہے اسی طرح اس پہاڑ کے اوپر ایک قبہ بنا ہوا ہے، جس کو لوگ قبہ آدم کہتے ہیں۔ اس میں داخل ہونا یا نماز پڑھنا مستحب نہیں اور اس کا طواف گناہ کبیرہ ہے۔ جو مسجدیں جمرات کے پاس ہی ہوتی ہیں، جہاں کنکر پھینکے جاتے ہیں، ان کے اندر داخل ہونا یا نماز پڑھنا بھی مستحب نہیں لیکن ان کا طواف کرنا، یا صخرہ کا طواف کرنا، یا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے روضہ مطہرہ کا طواف کرنا، مختصر یہ کہ بیت اللہ شریف کے بغیر کسی

اور جگہ کا طواف کرنا حرام ہے اور عظیم ترین بدعت ہے۔

فصل ۹

عرفات سے واپسی مشعر الحرام = مزدلفہ

دو راستے جب آدمی عرفات کے وقوف سے فارغ ہو تو مازمین کے راستہ سے مشعرِ حرام کو چلے۔ اسی راستہ پر لوگ آجکل آتے جاتے ہیں۔ فقہاء نے اس راستہ کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ اس کے مقابلہ میں ایک اور راستہ بھی ہے جس کو طریق ضب کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ سے عرفات کو جاتے ہوئے یہی راستہ اختیار فرمایا تھا۔ واپسی پر مازمین کے راستہ سے مشعر الحرام کو تشریف لائے تھے۔

عادتِ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک یہ تھی کہ مناسک حج اور عیدین میں جس راستہ سے جاتے اسی راستہ سے واپس تشریف نہیں لاتے تھے بلکہ دوسرے راستہ سے مراجعت فرمایا کرتے۔ چنانچہ جب آپؐ حج کے لئے مکہ میں تشریف لائے تو ثنیۂ علیا (باب المعلاۃ کی گھاٹی) سے داخل ہوئے اور ثنیۂ سفلےٰ سے نکلے۔ مسجدِ حرام میں آپؐ باب بنی شیبہ سے داخل ہوئے اور طواف الوداع کے

---

[1] مشعر کی جمع مشاعر ہے اور جن مقامات کا اعمالِ حج سے تعلق ہے وہ سب مشعر یا مشاعر کہلاتے ہیں۔

02660

بعد باب حزورہ سے باہر تشریف لے گئے۔ اسی طرح عرفات کو آپ ضب کے راستہ سے تشریف لے گئے اور مازمین کے راستہ سے مراجعت فرمائی۔ جب آپؐ عید کے دن جمرہ العقبہ کو (کنکر پھینکنے کے لئے) تشریف لے گئے تو آپؐ نے وہ درمیانی راستہ اختیار فرمایا جو منیٰ سے باہر نکل جاتا ہے اور پھر بائیں طرف جمرۂ مذکور کی طرف مڑتا ہے۔ پھر جب آپؐ اس جگہ پہنچے جہاں آپؐ نے قربانی کی تھی اور اپنا سر مونڈایا تھا تو اس کے لئے آپؐ نے وہی راستہ اختیار فرمایا جس پر آجکل عام لوگ چلتے ہیں۔

نمازِ مغرب و عشاء مزدلفہ میں

عرفات سے آدمی روانہ ہو تو مغرب کی نماز راستہ میں نہ پڑھے بلکہ مزدلفہ میں پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھے۔ راستہ میں لوگوں کو تکلیف نہ دے۔ اگر راستہ فراخ ہو اور جلدی جلدی تیزی کے ساتھ چلے۔ نہیں تو آہستہ چلے اور دھکم دھکا نہ کرے۔ مزدلفہ میں پہنچ کر ممکن ہو تو اونٹوں کو بٹھانے سے پہلے مغرب کی نماز پڑھ لے اور پھر اونٹوں کو بٹھا کر عشاء کی نماز ادا کرے۔ اگر عشاء کی نماز ادا کرنے میں کچھ تاخیر بھی ہو جائے تو کچھ حرج نہیں۔ رات مزدلفہ میں بسر کرے جس کا دوسرا نام مشعر الحرام ہے۔ اس کی حد عرفات کے مازمین سے شروع ہو کر بطن محسر تک چلی جاتی ہے۔

بطنِ عُرنہ اور بطنِ محسر سے بھاگنا ان دونوں مشاعر کے درمیان ایک ایسی جگہ بھی ہے جو کسی میں داخل نہیں چنانچہ عرفات کے میدان اور مزدلفہ کے درمیان میں بطنِ عُرنہ[1] ہے اور مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان بطنِ محسّر[2] ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عرفات کا میدان سب کا سب موقف یعنی کھڑا ہونے کی جگہ ہے۔ صرف اتنا خیال رکھو کہ بطنِ عرنہ میں مت اُترو۔ اسی طرح مزدلفہ کی ہر ایک جگہ کھڑا رہنے کی جگہ ہے لیکن بطنِ محسر میں اُترنے سے پرہیز کرو۔ منیٰ کے ہر ایک حصہ میں ہر جگہ قربانی ہوسکتی ہے اور مکہ کے سب راستے یکساں طور پر چلنے کے راستے ہیں۔ (کسی کو ایک دوسرے پر فضیلت نہیں)۔

مزدلفہ میں شب باشی اور روانگی منیٰ سنت یہ ہے کہ رات مزدلفہ میں بسر کرے اور پَو پھٹتے ہی

---

[1] وادئی عرنہ منیٰ اور عرفات کے درمیان واقع ہے۔ اس کا دوسرا نام وادی نمرہ بھی ہے۔ یہ حدِ حرم سے خارج ہے لیکن میدانِ عرفات میں بھی شامل نہیں

[2] وادی محسّر منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان واقع ہے۔ حدِ حرم میں داخل ہے۔ لیکن مشاعر نہیں ہے بلکہ یہاں سے جلد گزر جانا چاہیئے۔ یہ وادی وہی وادی ہے جہاں اصحابِ فیل یعنی ہاتھیوں والوں نے ابرہہ کی سرکردگی میں خانۂ کعبہ پر حملہ آوری کے دوران میں قیام کیا تھا۔ یہاں اُن پر عذابِ الٰہی نازل ہوا اور وہ تباہ و برباد ہو گئے۔

صبح کی نماز پڑھی جائے۔ اس کے بعد مشعر الحرام میں کھڑے رہ کر اذکار اور دعوات میں مشغول رہے، یہاں تک کہ دن کی روشنی خوب پھیل جائے لیکن ابھی سورج طلوع نہ ہوا ہو۔ جو لوگ کمزور ہوں (اور ازدہام سے بچنا چاہیں) مثلاً عورتیں اور بچے وغیرہ، تو وہ چاند غروب ہو جانے پر منیٰ کو روانہ ہو سکتے ہیں۔ لیکن جو کمزور نہ ہوں، ان کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ پو پھٹنے تک وہیں مزدلفہ میں ٹھہرے رہیں۔ پہلے صبح کی نماز پڑھیں۔ اس کے بعد مشعر الحرام میں کھڑے ہو کر ذکر و دعا میں مشغول ہوں اور طلوع آفتاب سے پہلے منیٰ کی طرف چل پڑیں۔ اگرچہ مزدلفہ کے ہر ایک حصہ میں جہاں بھی کھڑے ہو جائیں، وقوفِ مزدلفہ کا نسک ادا ہو جاتا ہے لیکن جبلِ قزح کے پاس کھڑا ہونا افضل ہے۔ یہ وہ پہاڑی ہے جس کو آجکل جبلِ مقیدہ کہتے ہیں اور عام طور پر لوگ یہیں کھڑے ہوتے ہیں۔ یہاں پر ایک عمارت بھی ہے جس کو اکثر فقہا نے مشعر الحرام کا نام دے رکھا ہے[1]۔ طلوع آفتاب سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کو روانہ ہوں۔ جب وادیٔ محسّر میں پہنچیں تو تیزی سے چلیں۔ یہ جگہ اتنی مسافت ہے جتنی دور ایک پھینکا ہوا پتھر جا سکتا ہے۔

منیٰ میں رمی الجمار جب آدمی منیٰ میں پہنچے تو جمرۃ العقبہ[2] کے پاس جا کر سات کنکر پھینکے اور کنکر پھینکتے وقت اپنے

---

[1] لیکن حقیقت یہ ہے کہ مزدلفہ سارے کا سارا مشعر الحرام ہے۔ کسی ایک جگہ میں کوئی خصوصیت نہیں۔

[2] (آئندہ صفحہ پر دیکھو)

دونوں ہاتھ اٹھائے۔ جب آدمی منٰے کی طرف سے (مغرب کی طرف) جاتا ہے تو یہ جمرہ (جمرۃ العقبہؒ) سب سے آخر میں آتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ دوسرے جمروں کی نسبت مکہ کے قریب تر واقع ہے۔ اس کا دوسرا نام جمرۃ الکبریٰ ہے اور قربانی کے دن اس کے بغیر کسی دوسرے جمرہ پر کنکر نہیں پھینکے جاتے۔ کنکر پھینکنے کی یہ کیفیت ہے کہ آدمی جمرۃ العقبہ کے ٹیلے کی طرف منہ کرے۔ منیٰ اس کے دائیں طرف اور بیت اللہ شریف بائیں طرف ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ پر اسی کیفیت سے قیام فرماتے تھے مستحب یہ ہے کہ ایک کنکر پھینکتے وقت تکبیر کہے۔ اور اگر چاہے تو یہ الفاظ بھی ساتھ ملا دیا کرے:

اللھم اجعلہ حجا مبرورًا وسعیًا مشکورا وذنبًا مغفورًا	بارخدایا! مجھے حج مبرور کی توفیق عنایت فرما، میری سعی کو شرف قبولیت بخش اور میرے گناہوں کو معاف فرما۔

کنکر پھینکتے وقت اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے مثنا عرج میں سے

لہ بازار منٰے کی سڑک پر تین تین بُرجیاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بنی ہوئی ہیں جن کا نام جمرہ ہے۔ جو جمرہ مکہ معظمہ کی طرف ہے، اسے جمرۃ العقبہ کہتے ہیں اور جو منٰے کی طرف ہے، اُسے جمرۃ الاولیٰ اور جو ان دونوں کے درمیان ہے، اُسے جمرۃ الوسطےٰ بولتے ہیں۔ علامہ زرقانی کی تحقیق ہے کہ جمرہ اولیٰ اور جمرہ وسطےٰ کا درمیانی فاصلہ ۲۰۵ ہاتھ۔ جمرہ وسطےٰ سے جمرۃ العقبہ ۲۰۸ ہاتھ ہے۔ نیز منیٰ سے جمرہ اولیٰ ۱۲۵۴ ہاتھ ہے۔

کہیں بھی جائے، لبیک کہتا ہوا جائے مثلاً جب منیٰ سے عرفات کو جائے، لبیک کہتا جائے یا عرفات سے واپس ہو کر مزدلفہ کو جائے تو لبیک کہنے میں کوتاہی نہ کرے، یہاں تک کہ جمرۃ العقبہ پر کنکر پھینک چکے، کنکر پھینکنا شروع کرے تو لبیک کہنا بند کر دے۔ یہ احرام کے کھلنے اور حلال ہونے کا آغاز ہے۔

تلبیہ اور قربانی لبیک کہنے کے متعلق اہل علم کے تین قول ہیں (۱) جب میدان عرفات میں پہنچ جائے تو لبیک کہنا بند کر دے۔

(۲) جمرۃ العقبہ پر کنکر پھینکنے تک لبیک کہنا جاری رکھے۔

(۳) عرفات سے مزدلفہ کو جائے تو لبیک کہتا جائے۔ مزدلفہ سے منیٰ کو آتے ہوئے بھی لبیک کہنے میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ جمرۃ العقبہ پر کنکر پھینک لئے جائیں۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے مؤخر الذکر قول کے مطابق عمل کرنا ثابت ہے۔

فصل ۱۰

آدابِ قربانی اور رمی الجمار

مستحب طریقہ جب آدمی میدانِ عرفات یا مزدلفہ میں کھڑا ہو تو ایسی حالت میں لبیک کہنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ لیکن خلفائے راشدین وغیرہ سے منقول ہے کہ وہ میدانِ عرفات میں لبیک کہا کرتے تھے۔ الغرض جمرۃ العقبہ پر کنکر پھینکنے سے فارغ ہو کر قربانی کرے بشرطیکہ وہ قربانی ساتھ لایا ہو۔ اونٹوں کی قربانی کرنے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اُن کو رُو بقبلہ کھڑا کر دے اور اُن کا بایاں پیر باندھ دے۔ برخلاف اس کے گائے بیل اور بھیڑ بکری کو ذبح کرنا ہو تو اُن کو بائیں کروٹ پر لٹا دے، اس طرح کہ ان کا منہ قبلہ شریف کی طرف ہو۔ جب ذبح کرنے لگے تو کہے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ، اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِكَ۔	شروع اللہ کے نام سے اور اللہ بہت بزرگ ہے یا اللہ یہ قربانی تیری ہی طرف سے اور تیری ہی رضا کے لئے ہے۔ یا اللہ قبول فرما جیسا کہ تو نے اپنے خلیل حضرت ابراہیمؑ سے قبول فرمائی۔

ھدی اور ضحیہ کا فرق جو جانور منیٰ کے مقام پر ذبح کیا جائے اور وہ حرم کی حد کے باہر سے لایا گیا ہو، اُس کو

ھدی (قربانی) کہا جاتا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ اونٹ ہے یا گائے، بیل اور بھیڑ بکری ہے۔ اسی قربانی کو اضحیہ بھی کہتے ہیں۔ لیکن وہ جانور جو حرم کے حدود سے باہر ذبح کیا جائے، اس کو اضحیہ تو کہہ سکتے ہیں، لیکن اسے ھدی نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بات دوسرے شہروں میں متصوّر ہو سکتی ہے لیکن منیٰ میں نہیں۔ منیٰ میں جو قربانی ہوگی، وہ ھدی بھی ہے اور اضحیہ بھی۔ اگر کوئی شخص عرفات سے جانور خرید کر منیٰ میں لاکر ذبح کرے تو اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ وہ ہدی ہے۔ لیکن جو شخص منیٰ میں کوئی جانور خریدتا ہے اور وہیں ذبح کرتا ہے، تو اس میں اہلِ علم کا اختلاف ہے امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ یہ ھدی نہیں۔ ابنِ عمرؓ سے بھی یہی قول منقول ہے۔ باقی تینوں امام یہ کہتے ہیں کہ یہ ھدی ہے۔ حضرت عائشہؓ سے بھی منقول ہے۔

کنکریاں پھینکنا اور سر مُنڈانا

آدمی کو اختیار ہے کہ جہاں سے بھی چاہے، کنکر لے، لیکن کسی ایسے کنکر کو اُٹھا کر نہ پھینکے جو پہلے پھینکا جا چکا ہے۔ مستحب یہ ہے کہ یہ کنکر چنے کے دانے سے بڑے اور بندوق کی گولی سے چھوٹے ہوں۔ کنکر کو توڑ کر پھینکنا بھی جائز ہے۔ لیکن بہ نسبت اس کے کہ پہاڑی سے کنکر کو توڑ لیا جائے، یہ افضل ہے کہ زمین سے اُٹھا کر پھینکے۔

قربانی کے بعد سر کو مُنڈا ڈالے، یا اگر چاہے تو بال کٹوا دے۔ لیکن منڈانا بہت بہتر ہے۔ اگر بال کٹوانا چاہے تو ان کو اکٹھا کر کے (اور گچھا

بنا کر) اُنگلی کے سرے کے برابر یا اس سے کچھ کم یا زیادہ کاٹ دے۔ برخلاف اس کے اگر عورت ہو تو وہ اس سے زائد نہ کاٹے۔ البتہ مرد کو اختیار ہے کہ جتنا کاٹے، جائز ہے۔ حلق یا قصر کرنے کے بعد پہلے درجہ میں وہ حلال ہو جاتا ہے۔ سب اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے

پہلی تحلیل

پہلے درجہ کی تحلیل سے یہ مراد ہے کہ احرام کی چادریں اُتار دے اور عام لباس پہن لے، ناخن لے، اور صحیح قول یہ ہے کہ خوشبو بھی لگا سکتا ہے اور اگر چاہے تو نکاح بھی کر سکتا ہے (جو بحالتِ احرام جائز نہیں تھا) اسی طرح حدودِ حرم سے باہر کا شکار بھی اس کے لئے جائز ہے اور جنسی خواہش پورا کرنے کے بغیر اب کوئی چیز اس کے لئے حرام اور ممنوع نہیں۔

مکہ پہنچ کر طوافِ اضافہ کرنا

اس کے بعد مکہ شریف جا کر طوافِ اضافہ کرے، بشرطیکہ اس کے لئے ایسا کرنا ممکن ہو۔ نہیں تو بعد میں بھی کر سکتا ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ وہ ایامِ تشریق کے اندر ہو (تیرھویں تاریخ ذی الحجہ کی شام تک کر سکتا ہے) ایامِ تشریق کے بعد تک ملتوی کرنے کے بارے میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ اس طواف کے بعد سعی کرے (صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر کاٹے)۔ یہ سعی حج کے لئے ہے (پہلی سعی عمرہ کے لئے تھی) یہی وجہ ہے کہ جس شخص نے افراد کیا ہو، اس پر ایک ہی مرتبہ سعی کرنا لازم ہے اگر کسی نے قران کیا ہو، تب بھی جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ ایک بار سعی

کرنا کافی ہے۔ جس نے تمتع کیا ہو، اس کے متعلق بھی صحیح ترین قول یہی ہے (کہ دوسری بار سعی کرنا ضروری نہیں)۔ امام احمدؒ سے دو قول منقول ہیں۔ صحیح تر قول اسی کے موافق ہے۔ کیونکہ جن صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہ کر تمتع کیا تھا، انہوں نے عرفات جانے سے پہلے کی سعی پر اکتفا کیا اور پھر سعی نہیں کی۔ الغرض جس نے تمتع کی ہے، اگر وہ ایک بار سعی کرنے پر اکتفا کرے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں اس کا یا افراد اور قران کرنے والے کا ایک ہی حکم ہے عبداللہ بن احمدؒ بن حنبل کا قول ہے کہ میرے باپ سے کسی نے پوچھا، جو شخص تمتع کرتا ہے، وہ کتنی مرتبہ سعی کرے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر وہ دو مرتبہ طواف کرے اور دو بار سعی کرے، تو یہ بہت عمدہ بات ہے، اور اگر ایک ہی مرتبہ پر اکتفا کرے، تب بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن دو مرتبہ کرنے کو میں بہت زیادہ پسند کرتا ہوں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ مفرد حج اور تمتع کرنے والے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ایک ہی مرتبہ طواف کرے اور ایک بار سعی کرے۔

دو بار سعی کی سند صحابہؓ

جو صحابہ کرام آنحضرت صلعم کے ہمرکاب حجۃ الوداع میں چلے تھے اور انہوں نے تمتع کی، ان کے متعلق یہ تو بالاتفاق ثابت ہے کہ انہوں نے مکہ پہنچ کر بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور پھر صفا و مروہ کی سعی کا نسک بجا لائے۔ لیکن سوال آتا ہے کہ عرفات سے لوٹنے کے بعد انہوں نے پھر طواف اور سعی کی یا نہیں؟

بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے طواف افاضہ کے بعد بھی سعی کی اور بعض کہتے ہیں، نہیں کی۔ صحیح مسلم میں جابرؓ کی روایت سے یہی مؤخر الذکر بات ثابت ہے۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ نے صفا اور مروہ کے درمیان صرف پہلی بار سعی کی، دوبارہ نہیں کی۔ برخلاف اس کے حضرت عائشہ رضؓ کی روایت سے آیا ہے کہ انہوں نے دو بار سعی کی۔ لیکن بعض محققین کہتے ہیں کہ یہ زیادتی زہری نے کی ہے۔ بی بی عائشہ رضؓ کا یہ قول نہیں۔ بعض اہل علم اس قول سے یہ بھی استدلال کرتے ہیں کہ بیت اللہ شریف کا دو مرتبہ طواف کرنا مستحب ہے۔ یہ استدلال ضعیف ہے اور ظاہر تر قول وہی ہے جو جابرؓ سے منقول ہے۔ آپ کے اس قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ قیامت کے دن تک عمرہ حج کے اندر شامل ہو گیا"۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ جب تمتع کرنے والا عمرہ کا احرام باندھتا ہے تو وہ حج میں داخل ہو جاتا ہے (اس کا حج شروع ہو جاتا ہے)۔ صرف اتنی بات ہے کہ بیچ میں وہ احرام کھول دیتا ہے۔ شرع کا یہ حکم حجاج کی آسانی کے لئے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالے کا محبوب ترین دین وہ ہے جو حنیفی (ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی منسوب) اور سہولت پر مبنی ہے۔ تمتع کرنے والے یا نہ کرنے والے کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ عرفات کے میدان میں کھڑا ہونے کے بعد طوافِ قدوم کرے بلکہ یہ طواف اس کے لئے سنت ہے جس طرح کہ صحابہؓ نے آنحضرت صلعم کی معیت میں یہ طواف کیا۔

تکمیلِ تحلیل یا تحلیلِ ثانی

طوافِ افاضہ کے بعد آدمی کے لئے سب کچھ جو احرام کی وجہ سے ممنوع تھا، حلال ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ ہمبستری کرنا بھی جائز ہے۔ منیٰ میں عید کی نماز نہیں پڑھی جاتی۔ حجّاج کے حق میں جمرۃ العقبہ پر کنکر پھینکنا بعینہٖ ویسا ہے جس طرح کہ عام شہروں میں نمازِ عید ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی حالت میں کبھی جمعہ اور عید کی نماز نہیں پڑھی، خواہ آپؐ مکہ میں قیام فرما ہوتے یا عرفات میں تشریف رکھتے۔ عرفہ کے دن عرفات کے مقام پر آپؐ نے جو خطبہ دیا وہ خطبۂ جمعہ کا نہیں تھا۔ وہ خطبۂ نسک ہے، یعنی حج کے مناسک میں سے ہے۔ آپؐ نے عرفہ میں جو نماز پڑھی، اس میں قرأۃ کو جہر سے نہیں پڑھا۔

رمی الجمار بجائے نمازِ عید

فصل

آدابِ ایّامِ تشریق[1]

مراجعتِ منیٰ اور رمی الجمار

طوافِ افاضہ کے بعد پھر منیٰ کو لوٹ آئے اور ہر روز سورج ڈھلنے کے بعد تینوں جمرات پر کنکر پھینکتا رہے۔ ابتداء پہلے جمرہ سے کرے،

---

[1] یوم النحر (قربانی کے دن دسویں ذوالحجہ) کے بعد گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں ذوالحجہ کو ایّام تشریق کہتے ہیں۔

جس کو "الجمرۃ الاولیٰ" کہتے ہیں اور مسجدِ خیف کی جانب سے قریب ہے۔ مستحب یہ ہے کہ پیدل چل کر ہر ایک جمرہ پر سات کنکر پھینکے۔ ہر ایک کنکر کے ساتھ تکبیر کہے اور اگر چاہے تو یہ الفاظ بھی ساتھ ملا دیا کرے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُوْرًا وَسَعْيًا مَشْكُوْرًا وَذَنْبًا مَغْفُوْرًا۔	یا اللہ اسے حج مبرور بنا دے، میری سعی قبولیت بخش دے اور میرے گناہ معاف کر دے۔

اور مستحب یہ ہے کہ کنکر پھینک کر تھوڑا سا آگے بڑھ جائے، جہاں کہ وہ کنکروں کی زد میں نہ ہو۔ پھر رُو بقبلہ ہو کر اور ہاتھ اٹھا کر جناب باری تعالیٰ سے دعا کرنے میں مشغول ہو اور اتنی دیر تک ٹھہرا رہے جتنی دیر میں کہ سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔ اس کے بعد دوسرے جمرہ کے پاس جائے اور اسی طرح اس پر بھی سات کنکر پھینکے۔ پھر اپنے بائیں طرف کسی قدر آگے بڑھے اور اسی طرح دعا میں مشغول ہو جس طرح پہلے جمرہ کے پاس دعا میں مشغول رہا تھا۔ پھر چل کر تیسرے جمرہ پر کنکر پھینکے، جو جمرۃ العقبہ کے نام سے مشہور ہے، اس پر بھی سات کنکر پھینکے۔ لیکن اس کے پاس ٹھہرنا نہیں۔ ایّام منیٰ کے دوسرے دن (۱۲۔ ذوالحجہ) بھی اسی طرح تینوں جمرات پر کنکر پھینکے۔ تیسرے دن اس کو اختیار ہے کہ جمرات پر کنکر پھینکے یا نہ پھینکے۔ لیکن پھینکنا افضل ہے۔ تاہم اس کے لئے جائز ہے کہ ایام منیٰ کے دوسرے دن یعنی بارھویں ذوالحجہ کو غروب آفتاب سے پہلے مکہ شریف چلا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ وَ مَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ لِمَنِ اتَّقٰی ۔
(۲ : ۲۰۲)

جو شخص دو دن کے اندر جلدی کر کے چلا جائے تو یہ اس کے حق میں کوئی گناہ کی بات نہیں، اسی طرح اگر وہ تاخیر کر کے ٹھہرا رہے، تب بھی کچھ حرج نہیں (یہ اختیار اور آزادی) اس کے لئے ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہو ۔

لیکن اگر کوئی شخص دوسرے دن یہاں تک ٹھہرا رہے کہ آفتاب غروب ہو جائے تو پھر اس کو تیسرے دن ٹھہرنا پڑیگا تاکہ دوسرے لوگوں کے ساتھ جمرات پر کنکر پھینک کر بعد میں جائے ۔

قیامِ منٰی اور مسجدِ خیف میں نماز

جو امام مناسکِ حج کی تعلیم دیتا اور اُن کی بجا آوری میں حجاج کی رہنمائی کرتا ہے، وہ دوسرے دن نہ چلے بلکہ تیسرے روز تک وہیں منٰی میں ٹھہرا رہے ۔ امام الحج کے لئے سنّت یہ ہے کہ وہ منٰی میں نماز پڑھائے ۔ اور سب حجاج اس کے پیچھے نماز پڑھیں ۔ آدمی کو چاہیئے کہ مسجدِ خیف[1] میں امام کے ساتھ نماز ادا کیا کرے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق اور عمر فاروق منٰی میں لوگوں کو نماز پڑھاتے تو قصر فرمایا کرتے[2] اور دو

---

[1] مسجدِ خیف منٰی میں ایک وسیع مسجد ہے جس کی فضیلت متعدد احادیث میں آئی ہے ۔ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مسجد میں نماز ادا فرمائی تھی ۔ یوم ترویہ یعنی آٹھویں ذی الحجہ کو نماز فجر با جماعت ادا کر کے منٰی میں جانا مسنون ہے ۔ [2] چار رکعت فرضوں کی بجائے دو رکعت پڑھا کرتے ۔

نمازیں اکٹھی نہیں پڑھا کرتے تھے۔ ان کے پیچھے جو لوگ نماز پڑھتے، خواہ مکہ شریف کے باشندے ہوتے یا کسی دوسری جگہ سے آئے ہوتے سب ہی قصر کرتے تھے۔[۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مقتدیوں سے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ یا اھل مکۃ! اتموا صلوتکم فانا قوم سفر" (اے مکہ والو! تم اپنی نماز پوری کر لو، ہم لوگ مسافر ہیں) یہ اُس وقت فرمایا تھا، جب آپؐ نے مکہ میں نماز پڑھائی۔ اگر کوئی امام الحج نہ ہو تو پھر آدمی کو چاہیئے کہ اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائے (یا ان کے ساتھ پڑھے)۔ جو مسجد اس وقت بنی ہوئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نہیں تھی۔

شب باشی قبل از روانگی اور الوداع

جب منیٰ سے روانہ ہو تو بہتر ہوگا کہ وادیٔ محصّب میں شب باش ہو، جس کو ابطح بھی کہتے ہیں اور جو دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے اور اس کی انتہا مقبرہ پر ہوتی ہے۔ پھر صبح کو یہاں سے روانہ ہو کر مکہ شریف میں آئے۔ آنحضرت صلعم اسی وادی میں شب باش ہوتے تھے اور جب مکہ میں پہنچے تو وہاں ٹھہرے نہیں بلکہ طواف کے ذریعے بیت اللہ شریف کو الوداع کہا (اور مدینہ شریف کو تشریف لے گئے) آپؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص جانا چاہے، سب سے آخر میں بیت اللہ شریف کو الوداع کہے" اس لئے کوئی حاجی جب تک بیت اللہ شریف کا طوافِ الوداع نہ کرے مکہ شریف سے روانہ نہ ہو۔ تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی

[۱] امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی نماز کی تکمیل نہ کیا کرتے۔

تعمیل ہو اور سب سے آخر میں بیت اللہ شریف کو الوداع کہے۔

تاکیدِ طوافِ وداع

البتہ جو شخص مکہ کا باشندہ ہو، یا مکہ میں مقیم رہنا چاہتا ہو، اُسے طوافِ وداع کی حاجت نہیں جیسا کہ ابھی مذکور ہوا، سب کاموں کو نپٹا لے اور چلنے لگے تو طوافِ الوداع کرے۔ اس طواف کے بعد کوئی خرید و فروخت نہ کرے۔ ہاں اگر قضائے حاجت کی ضرورت لاحق ہو تو کر سکتا ہے۔ یا راستہ میں جاتے جاتے کوئی چیز خرید سکتا ہے۔ جس گھر میں وہ مقیم تھا، اس میں سے اپنا سامان لینے کے لئے وہاں چلا جائے یا اسی قسم کا کوئی اور کام طوافِ وداع کے بعد کرے جس کا تعلق سفر کی تیاری اور روانگی سے ہے، تو اس پر دوبارہ طوافِ وداع کرنا واجب نہیں۔ ہاں اگر طوافِ وداع کرنے کے بعد کچھ دنوں کے لئے ٹھہر جائے تو جاتے وقت دوبارہ طوافِ وداع کرنا لازم ہے۔ جمہور علماء کا یہ قول ہے کہ طوافِ الوداع واجب ہے لیکن جس عورت کو ماہواری ایام آرہے ہوں، اس کے ذمہ یہ واجب نہیں۔

الوداعِ کعبہ کی دُعائے ابن عباسؓ

اگر چاہے تو بیت اللہ شریف کو الوداع کہتے وقت مُلتزم کے پاس آئے۔ یہ دیوارِ کعبہ کے اس حصّے کا نام ہے جو حجرِ اسود اور کعبہ شریف کے دروازہ کے درمیان ہے۔ اس جگہ پر اپنا سینہ اور منہ اور بائیں اور ہتھیلیاں رکھ دے اور اس حالت میں دعا کرے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی مرادیں طلب کرے۔ چاہے تو طوافِ الوداع سے پہلے ایسا کرے یا اس کے بعد کرے۔

اس کا تعلق بیت اللہ شریف کو الوداع کہنے سے نہیں۔ صحابہ کرام جب مکہ شریف میں داخل ہوتے تو وہ ایسا کرتے۔

اگر چاہے تو اس حالت میں وہ دعائے ماثورہ پڑھے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور وہ یہ ہے:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ وَابْنُ اَمَتِکَ حَمَلْتَنِی عَلٰی مَا سَخَّرْتَ لِی مِنْ خَلْقِکَ وَسَیَّرْتَنِی فِی بِلَادِکَ حَتّٰی بَلَّغْتَنِی بِنِعْمَتِکَ اِلٰی بَیْتِکَ وَ اَعَنْتَنِی عَلٰی اَدَاءِ نُسُکِی فَاِنْ کُنْتَ رَضِیْتَ عَنِّی فَازْدُدْ عَنِّی رِضًا وَ اِلَّا فَمِنَ الْاٰنَ فَارْضَ عَنِّی قَبْلَ اَنْ تَنَایٔ عَنْ بَیْتِکَ دَارِی فَھٰذَا اَوَانُ انْصِرَافِی اِنْ اَذِنْتَ لِی غَیْرَ مُسْتَبْدِلٍ بِکَ وَلَا بِبَیْتِکَ وَلَا رَاغِبًا عَنْکَ وَلَا عَنْ	بارخدایا! میں تیرا بندہ ہوں۔ تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور تیری باندی نے مجھ کو جنا۔ جس مخلوق کو تو نے چاہا، اس کو میرے لئے مسخر کرکے اور میرا تابع بنا کر مجھ کو اس پر سوار کیا اور اپنے فضل سے میرا سفر طے کرا کے مجھ کو یہاں اپنے گھر تک پہنچایا۔ پھر مجھ کو توفیق بخشی کہ میں نے مناسک حج کو ادا کر لیا۔ پس اگر تو مجھ سے راضی ہے تو میری درخواست یہ ہے کہ اس خوشنودی میں اضافہ فرما۔ بصورت دیگر اب مجھ کو اپنی رضامندی سے بہرہ ور فرما پیشتر اس سے کہ میں تیرے گھر سے دور ہو کر اپنے گھر چلا جاؤں۔ اگر اجازت ہو تو اب یہ وقت ہے کہ میں رخصت ہو کر چلا جاؤں۔ میں تیرے ساتھ اور تیرے گھر کے ساتھ کسی چیز کو بدلنا نہیں چاہتا اور نہ ہی تجھ سے یا تیرے گھر سے منہ

بَيْتِكَ ، اَللّٰهُمَّ فَاَصْحِبْنِي الْعَافِيَةَ فِيْ بَدَنِيْ وَالصِّحَّةَ فِيْ جِسْمِيْ وَالْعِصْمَةَ فِيْ دِيْنِيْ وَاَحْسِنْ مُنْقَلَبِيْ وَارْزُقْنِيْ طَاعَتَكَ مَا اَبْقَيْتَنِيْ وَاجْمَعْ لِيْ خَيْرَي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؎

پھیر رہا ہوں ۔ بارخدایا! مجھ کو میرے بدن میں تندرستی اور دین میں محفوظیت عنایت فرما میری واپسی اچھی طرح پر ہو اور جب تک میں زندہ رہوں میری عمر تیری طاعت میں بسر ہو ۔ دنیا اور آخرت کی بھلائیاں میرے لئے جمع کر دیجیو ۔ بارخدایا! بیشک تو ہر بات پر قادر ہے ۔

اگر کوئی شخص ملتزم کے ساتھ اپنا سینہ اور منہ نہ چمٹائے اور ویسے ہی کعبہ شریف کے دروازے کے پاس کھڑے ہو کر دعا کر لے تو ایسے شخص کے حق میں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس نے اچھا کیا ۔ جب بیت اللہ شریف کو الوداع کہہ کر جانے لگے تو پیٹھ پھیر کر سیدھا چلا جائے اور پیچھے کی طرف مڑ کر نہ دیکھے ۔ ہاں کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے پشت کی طرف بھی نہ چلے جس کو رجعت قہقری کہتے ہیں ۔ یہاں تک کہ بعض اہل علم کا قول ہے کہ اگر اس نے پھر کعبہ شریف کو دیکھ لیا تو اس پر پھر طواف کرنا واجب ہے ۔ اسی طرح جب حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پہ سلام (الوداع) کہنے کے لئے جائے تب بھی حسب معمول لوٹے اور رجعت قہقری نہ کرے ۔ الغرض طواف الوداع

؎ اگر کوئی عربی نہ جانتا ہو تو وہ اس دعا کے معنے یاد کر کے اپنی مادری زبان میں یہ دعا کر سکتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک زبان جانتا ہے ۔

کر کے مسجد حرام سے بعینہٖ اسی طرح نکلے جس طرح کسی مسجد میں سے آدمی نماز پڑھ کر نکلتا ہے۔

قران، افراد اور تمتع کی قربانیاں

جس شخص نے قران کیا ہو، اس میں اور افراد حج کرنے والے میں کچھ فرق نہیں۔ دونوں ایک ہی طرح کے مناسک بجا لاتے ہیں۔ اتنی بات ضرور ہے کہ جس نے تمتع یا قران کیا ہو، وہ قربانی ضرور کرے، خواہ اونٹ یا گائے ذبح کرے یا بھیڑ بکری کے ذبح کرنے پر اکتفا کرے یا اونٹ اور گائے میں دوسرے حجاج کے ساتھ شریک ہو۔ جس شخص کو قربانی کرنا میسر نہ ہو، وہ یوم النحر (بقر عید کا دن) سے پہلے تین دن روزے رکھے اور جب حج ختم کر کے گھر کو لوٹ آئے تو سات دن روزہ اور رکھے (یہ کل دس روزے ہوئے)۔

اگر کوئی شخص عمرہ کا احرام باندھ کر اس وقت تین روزے رکھے، تو اہلِ علم کا ظاہر تر قول یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ امام احمدؒ سے اس بارے میں تین روایتیں منقول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ عمرہ کا احرام باندھنے سے پہلے تین دن روزہ رکھے۔ بعض کہتے ہیں، اس وقت یہ تین دن روزہ رکھے جبکہ حج کا احرام باندھ لیا جائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد یہ روزے رکھے۔ یہی تیسرا قول راجح تر ہے۔ بعض فقہاء یہ بھی کہتے ہیں کہ آدمی عمرہ کا احرام کھول دے تو اس وقت روزے رکھے۔ کیونکہ حج کا آغاز

اسی وقت سے ہوتا ہے۔ عمرہ کا حج میں شامل ووداخل ہونا بعینہ اس طرح پر ہے جس طرح غسل کرتے وقت وضو کرنا اس کے اندر داخل اور شامل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ قیامت کے دن تک عمرہ حج کے اندر داخل اور شامل ہو گیا ہے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جب حج کیا تو اکثر صحابہ رضہ اپنی قربانیاں ساتھ نہیں لائے تھے، اس لئے آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ وہ احرام کھول دیں۔ (یہی تمتع کا مفہوم ہے)۔ چنانچہ اُنہوں نے احرام کھول دیا اور پھر حج کے لئے ترویہ کے دن آٹھویں ذی الحجہ کا احرام باندھا۔ اب ان میں سے جن کو قربانی میسر نہ ہوئی تھی، انہوں نے لامحالہ احرام حج باندھنے سے پہلے روزہ رکھنا شروع کیا ہوگا۔ (یہ اس فعل کی تائید میں ہے جو ابھی مذکور ہؤا)

زیارتِ آثار و مقاماتِ تاریخیہ

یہ بھی مستحب ہے کہ آدمی زمزم[1] کا پانی پیئے اور خوب پیٹ بھر کر پیے

[1] خانہ کعبہ کے دروازہ سے بجانب مشرق مقام ابراہیم کے پاس ایک کنواں ہے جسے چاہِ زمزم کہتے ہیں اور یہ وہی تاریخی کنواں ہے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ایڑیاں رگڑنے کی جگہ پر رحمتِ الٰہی سے ایک چشمہ اُس وقت جاری ہؤا تھا جبکہ اُن کی والدہ پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کی وادیوں میں چکر کاٹ رہی تھیں۔ پانی کا کہیں نام و نشان نہ ملنے پر واپس لوٹیں تو کارسازِ حقیقی کی اس کرشمہ سازی اور چشمہ میں پانی کی فراوانی دیکھ کر مَآءٌ زَمْ زَمْ مَآءٌ زَمْ زَمْ

پانی پینے وقت جو دعا، چاہے کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ دعا شریعت کے خلاف نہ ہو۔ چاہ زمزم کے پانی سے غسل کرنا مستحب نہیں۔ اور یہ جو اکثر لوگ ان مسجدوں کی زیارت کے لئے جاتے ہیں جو مسجد حرام کے علاوہ مکہ شریف میں موجود ہیں، مثلاً وہ مسجد جو صفا کے ٹیلے کے نیچے بنی ہوئی ہے اور وہ مسجد جو ابو قبیس پہاڑی کے دامن میں بنائی گئی ہے۔ الغرض اس قسم کی وہ تمام مسجدیں جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے آثار کے طور پر بنائی گئی ہیں، مثلاً وہ مسجد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت کی یادگار کے طور پر بنائی گئی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ان کی زیارت کے لئے جانے کو ائمۂ فقہ میں سے کسی امام نے سنت اور مستحب نہیں بتایا۔ شرع شریف نے صرف مسجد حرام کی زیارت کے لئے آنے کو مستحب اور موجب فضیلت بتایا ہے۔ شرع کے مطابق مشاعر فقط عرفات اور مزدلفہ اور منیٰ اور صفا اور مروہ کا نام ہے۔ اس لئے یاد رکھو کہ ان مشاعر کے بغیر دوسری جگہوں کو جو مکہ معظمہ کے قرب و جوار میں واقع ہیں، مشاعر سمجھنا اور اُن کی زیارت کے لئے جانا، مثلاً حراء کی پہاڑی (جہاں پر پہلے پہل

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۱۱۰) (پانی بہت ہے، پانی بہت ہے) فرمانے لگیں۔ اسی وقت سے اس چشمہ کا نام زمزم پڑ گیا۔ بعد ازاں وہاں کنواں بنا دیا گیا جو قیامت تک قائم رہیگا اور مخلوقِ خدا کو سیراب کرتا رہیگا۔ پانی نہایت شیریں اور خوش ذائقہ ہے۔ دودھ کی طرح غذا اور شفا کی خاصیت رکھتا ہے۔

نزولِ وحی کا سلسلہ شروع ہوا) یا شنے کے قریب کی وہ پہاڑی جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہاں قبّۃ الفداء تھا' وغیرہ وغیرہ' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت سے ثابت نہیں۔ بلکہ ایسا کرنا بدعت ہے۔ اسی طرح وہ مسجدیں جو مکہ سے مدینہ کو جاتے ہوئے راستہ میں ملتی ہیں، اور جن کو آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے آثار پر بنا ہوا خیال کیا جاتا ہے' یا وہ جگہیں جن کو آثار سمجھا جاتا ہے' ان میں سے کسی مسجد یا جگہ کا قصد کرنا اور ان کی زیارت کے لئے جانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع نہیں فرمایا۔

کعبہ شریف کا داخلہ

کعبہ شریف کے اندر داخل ہونا فرض یا سنّت مؤکدہ نہیں۔ البتہ اس کے اندر داخل ہونا اچھی بات ضرور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج یا عمرہ کے بعد یا یُوں کہیئے' حج اور عمرہ کے دوران میں کبھی اس کے اندر داخل نہیں ہوئے البتہ آپؐ سے ثابت ہے کہ فتح مکہ کے وقت آپؐ اس کے اندر داخل ہوئے۔ جو شخص اس کے اندر داخل ہو سکے' اس کے لئے مستحب ہے کہ اس کے اندر نماز پڑھے' تکبیر کہے' خدائے پاک سے دُعا کرے' اور اس کی یاد میں مشغول ہو۔ کعبہ شریف کے دروازہ سے داخل ہو کر سیدھا آگے کو چلے' اس طرح کہ کعبہ شریف کا دروازہ عین اس کے پیچھے ہو یہاں تک کہ اس کے اور دیوار کے درمیان فقط تین ہاتھ کا فاصلہ رہ جائے (یعنی چھ فٹ۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پر آکر آنحضرت صلعم نے

کعبہ شریف میں داخل ہو کر دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ کعبہ شریف کے اندر آدمی کو جوتا اُتار کر جانا چاہیئے۔

حطیم اور طوافِ کعبہ حطیم کا اکثر حصہ[1] درحقیقت کعبہ شریف کا جزو ہے، اس لئے جو شخص اس کے اندر چلا جائے، وہ ایسا ہی ہے جیسے کہ بیت اللہ شریف کے اندر چلا جائے۔ کعبہ شریف میں داخل ہونے والے پر دوسرے حاجیوں کے فرائض و آداب کے علاوہ کوئی فرض عاید نہیں ہوتا۔ جس طرح دوسرے حجاج کے لئے جوتا اُتار کر اور جوتا پہنے ہوئے دونوں طرح پر چلنا جائز ہے۔ اسی طرح بیت اللہ شریف میں داخل ہونے والے کے لئے بھی یہ جائز ہے۔ بیت اللہ شریف کا کثرت سے طواف کرتے رہنا ایک عمل صالح ہے۔ چنانچہ اگر آدمی مکہ شریف سے باہر جا کر عمرہ بجا لائے تو اس سے یہ بہتر ہے کہ بیت اللہ شریف کا طواف کرتا رہے۔ مکہ شریف سے باہر جا کر عمرہ کرنا صحابہ کرام کے سابقین اوّلین مہاجرین اور انصار سے ثابت نہیں اور نہ ہی آنحضرت صلعم نے اپنی امت مرحومہ کو اس کی ترغیب دی ہے بلکہ سلف صالحین نے اس کو مکروہ سمجھا ہے۔

---

[1] خانہ کعبہ کی شمال کی طرف ڈھائی فٹ لمبا ایک طلائی پرنالہ ہے جسے میزابِ رحمت کہتے ہیں۔ بیت اللہ کی چھت سے جب بارش کا پانی گرتا ہے تو عین حطیم کے وسط میں پڑتا ہے۔ یہ حصہ زمین نصف دائرہ کی شکل میں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی تعمیر میں بیت اللہ کے اندر داخل تھا۔ اب اس کے گرد چار فٹ بلند سنگ مرمر کی دیوار ہے اس دیوار کے اندر کے حصہ کا نام حطیم ہے۔ ناشر

فصل ۱۲

آدابِ مسجدِ نبویؐ اور قبرِ نبویؐ

ہزار نماز کا ثواب اور شدِ رحال

جب آدمی حج سے پہلے یا اس کے بعد مدینہ طیبہ[1] میں داخل ہو تو مسجد نبویؐ میں آئے اور اس میں نماز پڑھے۔ مسجدِ نبویؐ میں ایک نماز پڑھنے کا اس سے بھی زائد ثواب ہے کہ کسی دوسری مسجد میں ہزار نمازیں پڑھ لے۔ البتہ مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب اس سے بھی زیادہ ہے۔

---

[1] مدینہ منورہ کا نام قدیم زمانہ میں یثرب تھا۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد جب یہاں تشریف لائے تو لوگ مدینۃ النبی کہنے لگ گئے۔ ہوتے ہوتے مدینہ ہی نام قرار پا گیا۔ اب یہ شہر اپنی خاص خصوصیات کے لحاظ سے بعد از مکہ دنیا بھر کے سارے شہروں پر فوقیت رکھتا ہے۔ آب و ہوا اس قدر پاکیزہ اور عطر بیز ہے کہ دنیائے اسلام کی ایمان افروزی اور روح افزائی کا کام دیتی ہے۔ کتبِ حدیث اس کے فضائل و مناقب سے بھر پور ہیں۔ ہر مستطیع مسلمان پر واجب ہے کہ اس شہر کے سفر سے شرفیاب ہو۔ جس کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ مسجدِ نبویؐ کی زیارت کی نیت کی جائے، خواہ حج کی ادائیگی سے پہلے ہو یا بعد۔

مدینہ منورہ مملکتِ حجاز کا دوسرا بڑا شہر ہے جس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ جن کی وجہ سے شہر قلعہ کی مانند مستحکم و محفوظ ہے۔ سب سے مشہور جبلِ اُحد ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ اور ابو سعید خدریؓ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ثابت ہے اور دوسرے اسنادوں سے بھی یہ حدیث منقول ہے کہ "تین مسجدوں کے بغیر اور کسی جگہ کے لئے (تحصیلِ ثواب کو پیشِ نظر رکھ کر) رختِ سفر نہ باندھا جائے: (۱) مسجد حرام - (۲) مسجدِ نبویؐ[۱] - (۳) مسجدِ اقصیٰ یعنی مسجدِ بیت المقدس"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسجدِ نبویؐ اس سے چھوٹی تھی جو اب ہے۔ اسی طرح مسجدِ حرام کا رقبہ بھی اتنا وسیع نہیں تھا۔ بلکہ خلفائے راشدین اور اُن کے بعد دیگر خلفاء اور سلاطینِ اسلام نے ان میں اضافے کیے ہیں۔ جو حصے بعد میں مسجدِ حرام اور مسجدِ نبویؐ میں شامل کیے گئے ہیں، اُن کا بھی وہی حکم ہے جو اصل مسجد کا ہے۔

---

[۱] مسجدِ نبویؐ ایک عظیم الشان مسجد ہے، جو اپنی خوبصورتی اور آراستگی کی وجہ سے بھی مشہور ہے۔ موجودہ عمارت خاندانِ عثمانیہ کے دو بادشاہوں سلطان عبدالحمید خاں اور سلطان عبدالعزیز خاں کی تعمیر کردہ ہے، جو خادم الحرمین تھے۔ اِس مسجد کے پانچ دروازے ہیں: بابُ السلام۔ بابُ الرحمۃ۔ بابُ النساء باب جبرئیل۔ باب مجیدی۔ ساری عمارت سُرخ پتھر سے بنی ہوئی ہے جس میں ۳۲۷ ستون ہیں اور ۴۲ ستون مقصورہ شریف کے اندر ہیں۔ چاروں طرف مسجد کے رواق (دالان) بنے ہیں بسمتِ قبلہ جو جانبِ جنوب ہے بارہ دالان ہیں اور باقی تین سمتوں میں کسی طرف دو اور کسی طرف تین مسقف حصہ ۱۹۲ گز لمبا اور ۱۴۲ گز چوڑا ہے جس میں صحن کا دو حصہ بھی شامل ہے جسے "حصوہ" کہتے ہیں۔

صلوٰۃ وسلام بر نبیؐ اور جواب

مسجد نبویؐ میں نماز (دوگانہ تحیۃ المسجد) پڑھ کر قبر شریف کے پاس جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صاحبین (ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ) پر سلام کہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوداؤد وغیرہ میں یہ حدیث ثابت ہے کہ:

مَا مِنْ رَجُلٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔	جب کوئی شخص مجھ پر سلام کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب اُسے لوٹا دیتا ہوں۔

عبداللہ بن عمرؓ مسجد میں داخل ہو کر کہتے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبَا بَکْرٍ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبَتِ۔	سلام ہو آپؐ پر اے اللہ کے رسول! سلام ہو آپ پر اے ابابکر صدیقؓ! سلام ہو آپ پر اے میرے باپ! (حضرت عمرؓ)

یہ کہہ کر واپس چلے جاتے۔ دیگر صحابہؓ کا معمول بھی اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہنا تھا۔ صحابہ کرام جب آپؐ پر سلام کہنے کے لئے حاضر ہوتے تو سلام کہتے وقت اُن کی پیٹھ قبلہ کی جانب اور منہ قبر شریف کی طرف ہوتا تھا۔ اکثر علمائے کرام مثلاً امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ سے یہی منقول ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو۔

اب امام موصوف کے فقہاءِ مذہب کا اختلاف ہے۔ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ حجرہ شریف (مقبرہ شریف) کی طرف پیٹھ پھیرے اور بعض کہتے ہیں اُس کو اپنے بائیں طرف رکھے۔

طریقۂ سلام و نیاز

البتہ اِس بات پر سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ نہ تو حجرہ شریف کی دیوار کو ہاتھ لگائے اور نہ ہی اُس کو بوسہ دے، نہ اُس کا طواف کرے اور نہ اُس کی طرف نماز پڑھے۔ جب آدمی سلام کہتے وقت یہ الفاظ زبان پر لاتا ہے السلام علیک یارسول اللہ، یا نبی اللہ یا خیرۃ اللہ من خلقہ یا اکرم الخلق علی ربہ یا امام المتقین، تو اس میں شک نہیں کہ یہ سب آپؐ کی سچی صفات ہیں۔ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ اگر کوئی شخص سلام کہتے وقت درود بھی کہنا چاہئے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی (یاایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما)۔ جس وقت دُعا مانگنے لگے تو ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حجرہ شریف کی طرف منہ نہ کرے۔ ایسا کرنا منع ہے امام مالک سب سے زیادہ اس کو بُرا سمجھتے ہیں۔[۱]

خلیفہ منصور اور دُعاء

اور یہ جو منقول ہے یا یوں کہئے مشہور ہے کہ جب خلیفہ منصور اس موقع پر دُعا کرنے لگا تو امام مالک

---

[۱] اور امام ابو حنیفہ کا قول تو تم سُن چکے ہو کہ سلام کہتے وقت بھی آدمی قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو۔ دُعا کرتے وقت تو روبقبلہ ہونا بطریق اولیٰ ضروری ہے۔

نے اُس سے کہا کہ حجرہ شریف کی طرف مُنہ کر لو، یہ محض غلط ہے اور امام موصوف پر کسی نے افترا باندھا ہے۔ قبر شریف کے پاس اس لئے نہ ٹھہرے کہ اپنے لئے دُعا کرنا ہے۔ ایسا کرنا بدعت ہے۔ کسی صحابی سے بھی یہ منقول نہیں کہ اُس نے قبر شریف کے پاس کھڑے ہو کر دُعا کی ہو۔ جب دُعا کرنا چاہتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں رُو بقبلہ کھڑے ہو کر دُعا مانگتے تھے۔

ارشاد و دُعائے نبویؐ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست اپنے رب تعالیٰ سے یہ تھی کہ:

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ۔	بار خدایا! میری قبر کو بُت نہ بنایو کہ اس کی پرستش کی جائے۔

ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے اُمت کے لوگوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ہے:

لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا وَلَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا، وَصَلُّوْا عَلَيَّ حَيْثُمَا كُنْتُمْ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ۔	میری قبر کو عید نہ ٹھہرا لو اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بنا لو (کہ اُن میں نماز نہ پڑھو) اور تم جہاں کہیں ہو، مجھ پر درُود بھیجا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

صحابہؓ نے عرض کیا، ہمارا درُود اُس حالت میں کیسے آپؐ کے سامنے پیش ہوگا کہ آپؐ کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہونگی؟ آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ۔	بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر یہ حرام کر دیا ہے کہ وہ پیغمبروں کے جسموں کو کھا جائے۔

اس کے بعد آپؐ نے اُن کو خبر دی کہ اگر کوئی شخص قریب سے آپؐ پر سلام کہے تو آپؐ اُسے سنتے ہیں اور اگر دُور سے سلام کہے تو وہ آپؐ کو پہنچا دیا جاتا ہے۔ آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَ النَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِھِمْ مَسَاجِدَا۔	یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد قرار دے لیا۔

اس کہنے سے آپؐ کا مقصد اُمت مسلمہ کو ڈرانا تھا کہ کہیں وہ بھی ایسا نہ کریں۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں:

لولا ذالک لابرز قبرہ ولکن کرہ ان یتخذ مسجدًا۔	اگر یہ خوف نہ ہوتا تو آپؐ کی قبر کو مخفی نہ رکھا جاتا۔ لیکن آپؐ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ آپؐ کی قبر کو مسجد قرار دیا جائے۔

اس حدیث اور اس قول کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔ چنانچہ جب آپؐ نے حضرت عائشہ رضؓ کی کوٹھڑی میں وفات پائی تو صحابہ رضؓ نے آپؐ کو وہیں دفن کیا۔

توسیع مسجد نبوی یہ بی بی عائشہ رضؓ کی کوٹھڑی اور دوسری ازواج مطہرات کی کوٹھڑیاں مسجد کے باہر بعض مغرب

کی طرف اور بعض مشرق کی طرف تھیں۔ ولید بن عبدالملک نے اپنے عہدِ حکومت میں مسجدِ نبویؐ کی از سرِ نو تعمیر کی اور اس میں توسیع کی۔ نیز بعض دوسری مسجدیں (شاندار طریقہ پر) تعمیر کیں۔ مدینہ میں اس کا نائب عمر بن عبدالعزیز تھا چنانچہ توسیعِ مسجد کی خاطر اُس نے حکم دیا کہ بہ حجر (کوٹھڑیاں) خرید کر مسجد میں شامل کر دئیے جائیں۔ اُسی وقت سے حجرہ شریف مسجدِ نبویؐ میں داخل ہے۔ اِس حجرہ شریف کو ارادۃً قبلہ رُخ نہیں بنایا گیا۔ تاکہ کوئی شخص اِس کی طرف نماز نہ پڑھے جو ممنوع شرعی ہے۔ صحیح مسلم میں ابو مرثد غنویؓ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:

لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَیْهَا۔	قبروں کے اوپر مت بیٹھو اور اُن کی طرف منہ کرکے نماز بھی مت پڑھو۔

فصل ۱۳

مسئلہ زیارتِ قبور

زیارتِ شرعیہ قبروں کی زیارت کرنا دو طرح پر ہے: ایک وہ جو شرع کے مطابق ہو، دوسری وہ جو تعلیمِ شرع اور سنّتِ نبویؐ کے مخالف ہے اور زیارت بدعیہ کہلاتی ہے۔ زیارتِ شرعیہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میّت پر سلام کہا جائے اور اُس کے لئے

جناب باری تعالیٰ سے دُعا کی جائے۔ چنانچہ نمازِ جنازہ کا بھی یہی مقصد ہے۔ موت کے بعد کسی کی زیارت کرنا ویسا ہی ہے جس طرح اس کی نمازِ جنازہ پڑھنا۔ اس لئے زیارت شرعیہ سنت کے مطابق یہ ہے کہ قبر کے پاس جا کر آدمی اس میت پر سلام کہے اور جناب باری تعالیٰ سے اُس کے لئے دُعا کرے۔ قطع نظر اس سے کہ جس کی زیارت کی جاتی ہے، نبی ہے یا کوئی اور شخص۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو زیارتِ قبور کا یہ طریقہ تلقین فرمایا ہے کہ قبرستان میں جا کر اس طرح کہا جائے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ۔ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَمِنْكُمْ وَالْمُسْتَاْخِرِيْنَ نَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهُمْ۔	ان گھروں کے رہنے والے مسلمانو! تم پر سلام ہو۔ اور خدا نے چاہا تو ہم ضرور تم سے ملیں گے۔ ہم اور تم میں سے خواہ وہ اگلے ہوں یا پچھلے اللہ تعالیٰ اُن سب پر رحم فرمائے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت طلب کرتے ہیں۔ بارِ خدایا! ہمیں اُن کے اجر سے محروم نہ کیجیو اور اُن کے بعد ہمیں کسی آزمائش میں نہ ڈالئے اور ہمیں اور ان سب کو بخش دیجئے!

جب آپ اہلِ بقیع[۱] کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے یا شہیدان

[۱] مدینہ منورہ کا نہایت بابرکت قبرستان ہے جو جنّت البقیع کے نام سے مشہور ہے، جو

غزوۂ اُحد کی زیارت کے لئے جاتے تو آپؐ ایسے ہی الفاظ فرماتے۔

قبروں کے پاس نماز

قطع نظر اس سے کہ انبیاء علیہم السلام کی قبور ہوں یا غیر انبیاء کی، اُن کے پاس نماز پڑھنا کوئی فضیلت نہیں رکھتا۔ اس پر جملہ علمائے اسلام کا اتفاق ہے۔ بلکہ اس پر بھی ان کا اتفاق ہے کہ وہ مساجد جن میں کہ کسی نبی یا ولی کی قبر نہ ہو، اُن میں نماز پڑھنا بہ نسبت اُن مساجد کے اولیٰ و افضل ہے، جن میں کوئی ایسی قبر موجود ہو۔ بلکہ وہ مسجدیں جو کسی قبر کے اوپر بنائی گئی ہوں، اُن میں نماز پڑھنا حرام یا کم از کم مکروہ ہے۔

زیارتِ بدعیہ

زیارتِ بدعیہ (خلافِ سنت) یہ ہے کہ جس کی زیارت کے لئے آدمی جائے، اس سے اپنی مُرادیں مانگنا اس کے پیشِ نظر ہو، یا اس کی قبر کے پاس دعا کرنے کو وہ زیادہ مقرون بہ اجابت خیال کرتا ہو، یا اس کے توسل سے دُعا کرنا چاہتا ہو۔ اِن اغراض کے لئے قبروں کے پاس جانا (خواہ وہ انبیاء اور اولیاء ہی کی قبریں کیوں نہ ہوں) نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے اور نہ ہی ائمہ ملت اور سلف صالحین میں سے کسی نے اس قسم کی زیارت کو مستحب کہا ہے، بلکہ ائمہ اور سلف کا اس پر اتفاق ہے کہ اس طرح کی زیارت ممنوع اور بدعت ہے۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۱۲۱) جلیل القدر اصحاب کا مدفن ہے۔ بعض کو رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے خود دستِ مبارک سے دفن فرمایا۔ آپؐ اکثر اوقات اس قبرستان میں تشریف لایا کرتے اور اہلِ بقیع کے لئے دُعائیں فرمایا کرتے۔

لفظِ زیارت اور احادیثِ موضوعہ

امام مالکؒ وغیرہ سے یہاں تک منقول ہے کہ یہ کہنا بھی مکروہ ہے کہ میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کی۔ اس قسم کا لفظ ایسے موقع کے لئے استعمال کرنا آنحضرتؐ سے ثابت نہیں۔ اس بارے میں جتنی بھی روایات بعض کتبِ احادیث میں مذکور ہیں، وہ سب موضوع ہیں۔ مثلاً

مَنْ زَارَنِیْ وَ زَارَ اَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ فِیْ عَامٍ وَاحِدٍ ضَمِنْتُ لَهٗ عَلَی اللهِ الْجَنَّةَ۔	جس نے ایک ہی سال کے اندر میری اور میرے باپ ابراہیمؑ کی زیارت کی، میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس بات کی ضمانت کرتا ہوں کہ وہ جنت میں جائیگا۔

یا مثلاً یہ کہا ہے کہ:

مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَمَاتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ وَمَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَمَاتِیْ حَلَّتْ عَلَیْهِ شَفَاعَتِیْ۔	جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی، اس کے حق میں شفاعت کرنا مجھ پر واجب ہوگیا۔

وغیرہ وغیرہ، یہ سب کی سب ضعیف بلکہ موضوع (من گھڑت) روایتیں ہیں۔ حدیث کی معتبر اور قابلِ اعتماد کتابوں میں یہ مذکور نہیں۔ اور نہ ہی چاروں اماموں میں سے کسی امام نے ان کا ذکر کیا ہے بلکہ کسی دوسرے امام یا قابلِ وثوق ہستی نے ان کو حدیث بھی نہیں کہا ہے۔ البتہ

یہ روایتیں بزار اور دارقطنی کے مجموعہ ہائے حدیث میں ضعیف اسنادوں کے ساتھ مذکور ہیں۔ کیونکہ دارقطنی وغیرہ بعض دوسرے محدثین کی عادت ہے کہ وہ صرف جاننے کی خاطر اس قسم کی روایات اپنے مجموعوں میں ذکر کرتے ہیں۔ پھر ساتھ ہی ان کے ضعیف اسناد کا خود ہی ذکر کر دیتے ہیں۔ اب قابل غور بات یہ ہے کہ جب اس قسم کے افعال جن میں شرک اور بدعت کی آمیزش پائی جاتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس ممنوع ہیں، آپؐ کی ذات گرامی افضل المخلوقات ہے جب آپؐ کی قبر کا یہ حال ہے تو پھر دوسری قبروں کا ذکر ہی کیا ہے!

مسجدِ قبا[1] میں نماز آدمی مدینہ طیبہ میں ہو تو مسجدِ قبا کو جانا اور اس میں نماز پڑھنا مستحب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ وَأَحْسَنَ الطُّهُورَ ثُمَّ أَتَى مَسْجِدَ قُبَاءَ لَا يُرِيدُ إِلَّا الصَّلٰوةَ فِيهِ كَانَ لَهُ كَأَجْرِ عُمْرَةٍ۔	جس نے اپنے گھر میں اچھی طرح وضو کیا اور پھر مسجدِ قبا میں جا کر نماز پڑھی اور وہاں جانے سے اس کا اور کوئی مقصد نہیں تھا تو اس کو اتنا ثواب ملیگا جتنا کہ عمرہ کرنے کا۔

[1] مسجدِ قبا، مدینہ کا ایک محلہ بھی ہے۔ ہجرت کے بعد حضور نے چند یوم اس جگہ قیام فرمایا تو اپنے دستِ مبارک سے مسجد تعمیر کی۔ قرآن پاک میں اس مسجد کی فضیلت آئی ہے۔ رسولِ خدا کا معمول تھا کہ ہفتہ کے روز اکثر اور دوشنبہ کے دن کبھی کبھی اس مسجد میں تشریف لاتے اور نماز ادا فرماتے حضرت عمرؓ کا بھی یہی معمول رہا۔

• اس حدیث کو امام احمدؒ، نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔ ایک اور حدیث ہے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسجدِ قباء میں نماز پڑھنا عمرہ کے برابر ہے"۔ ترمذی نے اس کو حدیث حسن کہا ہے۔

استحبابِ مساجدِ ثلاثہ

مسجدِ اقصیٰ کے لئے سفر کر کے جانا، اس میں نماز پڑھنا، دعا کرنا، ذکرِ خدا اور قراءتِ قرآن میں مشغول رہنا اور اس میں اعتکاف کے لئے بیٹھنا، یہ سب کچھ مستحب ہے۔ وقت کی تخصیص نہیں۔ خواہ اسی سال جائے جس سال حج کے لئے آیا ہے یا آگے پیچھے اس کے لئے سفر کرے۔ مسجدِ اقصےٰ اور مسجدِ نبویؐ میں تمام اُن آداب کی رعایت کی جاتی ہے، جو عام مساجد کے آداب ہیں لیکن ان دونوں مسجدوں میں کوئی ایسی جگہ نہیں جس کو ہاتھ لگانا یا بوسہ دینا مستحب ہو اور نہ ہی ان مسجدوں کا طواف کیا جائے۔ یہ باتیں مسجدِ حرام کے لئے مخصوص ہیں۔ بیت المقدس میں صخرہ کی زیارت کرنا مستحب نہیں بلکہ مستحب یہ ہے کہ مسجدِ اقصےٰ کی جانبِ قبلہ میں جو جگہ خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطابؓ نے مسلمانوں کے لئے بنائی ہے اس میں نماز پڑھے۔ مسجدِ اقصےٰ کو اس لئے سفر کر کے نہ جائے کہ وہاں (عرفات کی طرح) وقوف کرے گا۔ اس قسم کا وقوف کرنے کے لئے کسی قبر کا قصد نہیں کرنا چاہئے، خواہ وہ کسی نبی کی قبر ہو یا ولی کی۔ اس پر تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے۔

زیارتِ قبر کا سفر ممنوع

اہل علم کا ظاہر تر قول یہ ہے کہ کسی قبر کی زیارت کا قصد کر کے سفر پر نہ جائے۔

البتہ اگر کوئی قبر قریب ہے یا آدمی کو اس کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو شرعی طریقہ پر اُس کی زیارت کر لی جائے۔ چنانچہ مسجدِ قبا میں بھی نماز پڑھنے کے لئے تب جائے جبکہ آدمی مدینہ میں ہو۔ لیکن یہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ مستقل طور پر اس لئے سفر کرے کہ وہاں جا کر نماز پڑھے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے تین مساجد کے اور کسی مسجد یا غیر مسجد کے لئے رختِ سفر باندھنے سے منع فرمایا ہے۔

دینِ اسلام کے دو بنیادی اصول

اس ممانعت کا فلسفہ یہ ہے کہ دینِ اسلام کے دو بنیادی اصول ہیں:

(۱) ایک یہ کہ سوائے خدائے پاک وحدہٗ لاشریک کے اور کسی کی عبادت کی جائے

(۲) دوسرے یہ کہ اس کی عبادت اسی طریقہ پر کی جائے جو خود اُس نے مشروع فرمائی اور ہمیں بتائی ہے۔ خود ساختہ طریقہ سے جس کو بدعت کہتے ہیں، اس کی عبادت کرنا منع ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۔

(۱۸ : ۱۱۰)

جو شخص اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ ملنے اور اس کے حضور میں باریاب ہونے کی توقع رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ ایسا عمل کرے جو شائستۂ درگاہ ہو اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو اس کا شریک ٹھہرائے۔

حضرت عمرؓ کی دُعاء

اسی بناء پر حضرت عمر فاروقؓ عموماً اپنی دُعاء میں پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ عَمَلِیْ کُلَّہٗ صَالِحًا وَّاجْعَلْہُ لِوَجْھِكَ خَالِصًا وَّلَا تَجْعَلْ فِیْهِ لِاَحَدٍ شَیْئًا۔	بارِ خدایا! مجھے عمل صالح کی توفیق عنایت فرما اور میرا ہر ایک عمل خالص تیری خوشنودی کے لئے ہو اور اس میں کسی دوسرے کا کوئی حصہ نہ ہو۔

فضیل بن عیاضؒ نے اس آیت کی تفسیر میں کہ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا "اُس نے موت اور حیات کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ کون تم میں سے بہترین عمل والا ہے! یہ کہا ہے کہ اخلصه واصوبه "بہترین عمل وہ ہے جو سب سے زیادہ ٹھیک (سنّت کے مطابق) اور سب سے زیادہ خالص ہو"۔

کسی نے آپؒ سے اس کی تشریح دریافت کی، ما اخلصه واصوبه (سب سے زیادہ خالص اور سب سے زیادہ ٹھیک کونسا عمل ہے؟) اُنہوں نے جواب دیا: اگر کوئی عمل خالص لوجہ اللہ بھی ہو، لیکن اگر وہ ٹھیک (سنّت نبویؐ کے مطابق) نہیں تو اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔ اور اگر ٹھیک (سنّت صحیحہ کے مطابق) کیا جائے، لیکن وہ خالص ہو صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے نہ ہو، تو اس کو بھی شرف اجابت نہیں بخشا جاتا۔

اسی طرح قرآن مجید میں یہ بھی ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ؕ
(۴۲ : ۲۰)

کیا اُنھوں نے اپنے لئے خدائے پاک کے شریک مقرر کر رکھے ہیں جنھوں نے ان کو ایک ایسے دین کی تعلیم دی ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔

اخلاص فی العبادت

الغرض تمام عبادتوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ دین سب کا سب اس ہدایت و تعلیم کے مطابق ہو جو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ وہی ایک معبود برحق ہے' اسی سے جملہ حاجات اور مرادیں مانگی جاتی ہیں' بیم و اُمید اسی سے رکھنا چاہئیے' اور اُسی کی خالص بے ریا عبادت کی جائے۔ آسمان اور زمین میں جس قدر مخلوق ہے سب کے سب اس کے احکام کے تابع ہیں۔ کوئی اس کے حکموں کی خوشی سے تعمیل کرتا ہے' کسی کو چار و ناچار اس کے احکام ماننے پڑتے ہیں (وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا[1] کے یہی معنی ہیں) بہرحال خالص اللہ تعالیٰ کا بندہ بن کر رہنا چاہئیے۔

سورہ زمر کے آغاز میں ارشاد ہوتا ہے:

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ، اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ، اَلَا لِلّٰهِ

یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو غالب و حکمت والا ہے۔ بیشک ہم نے تمہارے پاس سچائی سے اپنی کتاب اُتاری ہے تاکہ تم اللہ کی عبادت کرو اور دین کو اُسی کیلئے

---

[1] بخوشی یا بناچاری آسمان وزمین کی سب مخلوق اللہ کے زیرنگیں ہے

الدِّیْنُ الْخَالِصُ ط ۔ (۳۹: ۱/۳)	خالص کردو۔ بیشک اللہ کے لئے دین خالص ہو۔

دوسری جگہ اسی سورہ میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۔ (۳۹: ۱۴)	(اے نبیؐ) کہہ دو کہ میں تو اللہ ہی کی عبادت کرونگا اور اپنے دین کو اسی کے لئے خالص رکھوں گا۔ تم اسے چھوڑ کر جس کی چاہو، پرستش کرو۔
قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَیُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۔ (۳۹: ۶۴)	ان سے کہہ دو کہ اے جاہلو! تم مجھ سے یہ کہتے ہو کہ میں اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا معبود بنالوں۔

سورہ آل عمران میں ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ (۳: ۷۹)	کسی ایسے انسان کے لئے جس کو اللہ تعالیٰ نے کتاب اور حکم اور نبوت سے سرفراز فرمایا ہو، یہ ممکن نہیں کہ وہ با ایں ہمہ علم و دانش لوگوں سے یہ کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔

آگے کی آیت میں ہے "اور نہ ہی وہ تم سے یہ کہیگا کہ تم پیغمبروں اور فرشتوں کو معبود بنالو۔"

ایک اور آیت میں ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا، اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ۔ (۱۷ : ۵۷)

کہہ دو، خدائے پاک کو چھوڑ کر جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے، اُن کو پکار کر تو دیکھو وہ نہ تو تمہاری کسی تکلیف کو دُور کر سکتے ہیں اور نہ اس میں کوئی تغیّر پیدا کر سکتے ہیں۔ جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ خود اللہ کی عبادت کے ذریعے اس کے تقرب کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں اور یہی لوگ اللہ کی رحمت کے اُمیدوار اور اس کے عذاب سے ترساں ہیں۔

سلف صالحین کا قول ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو انبیاء اور ملائکہ کی پرستش میں مشغول تھے۔ مثلاً مسیح علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کو خدائے پاک کا بیٹا اور اس کا شریک ٹھہراتے تھے۔ ذیل کی آیت بھی ان لوگوں کے حق میں ہے جو ملائکہ کی عبادت کرتے تھے:

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ۔ (۲۱ : ۲۷)

بلکہ وہ تو خدائے پاک کے معزز بندے ہیں اس کے حکم کے منتظر رہتے ہیں اور حکم ملنے پر فوراً تعمیل کرتے ہیں۔

الغرض اس قسم کی آیتیں قرآن مجید میں بکثرت ہیں بلکہ تمام قرآن پاک کا اصلی مقصد اسی حقیقت کا لوگوں کے ذہن نشین کرنا ہے۔ اور جملہ رسولوں کے بھیجنے کا پہلا مقصد اسی توحیدِ عبادت کی تعلیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اسی کے لئے پیدا کیا، جیسے کہ ارشاد ہے:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ (۵۶ : ۵۲)	میں نے تو جنّوں اور انسانوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ صرف میری ہی عبادت کریں (مجھے ہی معبود سمجھیں)

اخلاص فی الحج مسلمانوں کے لئے یہ جاننا لازم ہے کہ حج بیت اللہ شریف کا بھی بعینہٖ نماز وغیرہ کی طرح ایک عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ وحدہٗ لا شریک کی رضامندی اور اُس کی خوشنودی کے لئے بجالائی جاتی ہے۔ نمازِ جنازہ اور زیارتِ قبور کا مقصد اموات کے لئے دُعا کرنا ہے، جس کی نوعیّت ابنائے جنس کے ساتھ حسنِ سلوک اور احسان کرنے کی ہے۔ زکوٰۃ بھی اسی قسم کی عبادت ہے، یعنی اس کا مقصد بھی خلقِ خدا کو فائدہ پہنچانا اور اُن کی اعانت اور دستگیری کرنا ہے۔ اب جن عبادات کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، اُن کو اسی طریقہ پر ادا کیا جائے، خواہ وہ اللہ تعالیٰ کا فرمودہ ہو یا اُس کے رسولؐ نے بتایا ہو، تو یہ توحید اور سنّت ہے۔ اور اگر کسی اور طریقہ پر کوئی عبادت

کی جائے (اپنی رائے یا کسی دوسرے کی رائے کا اتباع کیا جائے) تو یہ شرک اور بدعت ہے۔ نصاریٰ اور اُن کی طرح کی اَور قومیں اسی طرح گمراہ ہوئیں (کہ انہوں نے اپنے اہوائے نفس کا اتباع کیا)۔ اس کی مثال ایسی ہے جس طرح کوئی شخص کسی ایسے مقام پر جس کو اللہ تعالیٰ نے عبادت کے لئے مخصوص نہیں فرمایا، وہاں جاکر عبادت کرے یا کسی مقامِ عبادت میں عبادت کو اس طریقہ پر ادا نہ کرے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے بنایا اور سکھایا ہے۔ اس قسم کی عبادت کو دین نہیں کہا جا سکتا (اور نہ ہی اس پر اجر و ثواب مترتب ہوتا ہے)۔

مشابہت نصاریٰ

اسی بنا پر ائمہ علماء کا قول ہے کہ انبیاء اور صالحین کی قبروں کے لئے سفر کرنا (اور اس کو موجب ثواب خیال کرنا) بہت بڑی بدعت ہے، اور صحیح تر قول یہ ہے کہ: ایسا کرنا خلافِ شرع ہے۔ یہاں تک کہ بعض علماء نے تصریح کی ہے: کہ اس قسم کے سفر میں قصد کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ سفرِ معصیت ہے۔[1] اسی طرح اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ کا قصد کرے جو کسی بزرگ کے ساتھ منسوب ہے اور اس کا خیال یہ ہو کہ وہاں جاکر اس صاحبِ مقام

---

[1] اس لئے اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے دوران میں کسی شرعی رعایت سے فائدہ اٹھایا جائے کیونکہ خلافِ شرع کام کے لئے سفر کر رہا ہے۔

یا صاحب قبر سے اپنی کوئی حاجت طلب کرے۔ بالفاظِ دیگر وہاں مُرادیں مانگنے کے لئے جائے یا اپنے آپ کو اس کی پناہ میں دینا مطلوب ہوا اس کا یہ فعل نصارٰی کے عقیدہ اور عمل کے مشابہ ہے[1] اور اسی کو شرک اور بدعت کہا جائیگا۔ اس قسم کا عقیدہ اور عمل اس اُمّت کے بدعتیوں نے عیسائیوں سے اخذ کیا ہے اور انھوں نے حج اور نماز کو شرک اور بدعت پر مشتمل بنا رکھا ہے۔

قبروں پر تعمیرِ قُبّہ کی ممانعت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواجِ مطہّرات نے آپؐ کے حضور میں ملکِ حبش کے ایک کنیسہ کا ذکر کیا جس کو وہ دیکھ آئی تھیں جو نہایت خوبصورت بنا ہُوا تھا اور جس میں تصویریں تھیں، تو آپؐ نے فرمایا:

اُولٰئِكَ اِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا اَوْ صَوَّرُوْا فِيهِ تِلْكَ التَّصَاوِيْرَ اُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔	ان لوگوں میں جب کوئی خدا کا نیک بندہ وفات پا جاتا ہے تو وہ اس کی قبر پر ایک عبادت گاہ کھڑی کر دیتے ہیں اور اس کے اندر یہ تصویریں (جن کا تم نے ذکر کیا ہے) بنا دیتے ہیں یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے سامنے بدترین مخلوق ہونگے۔

[1] جس طرح ایک موحد اپنی ہر ایک مراد کیلئے خدائے پاک کو پکارتا یا اس کی پناہ مانگتا ہے۔

اہلِ علم نے اسی بنا پر ایسی جگہ جانے سے منع کیا ہے جہاں غیر اللہ کی عبادت کی جاتی ہو، اور انبیاء اور صالحین سے جو وفات پا گئے ہیں، مُرادیں مانگی جاتی ہوں۔ چنانچہ یہ مشرکانہ رسم ہے کہ رقعہ (مشتمل اظہارِ حاجات) لکھ کر کسی نبی یا ولی کی قبر پر لٹکایا جاتا ہے یا اس کی قبر کو سجدہ گاہ بنایا جاتا ہے یا اس سے قضائے حاجات کی درخواست کی جاتی ہے یا اس کی جانب رغبت کا اظہار کیا جاتا ہے (تاکہ وہ اس کے لئے شفیع اور وسیلہ بنے اور خدائے پاک سے اس کی حاجت روا کرا دے)۔

اہلِ علم کا قول ہے کہ قبروں پر کوئی عمارت کھڑی نہ کی جائے جو مسجد کی صورت پر ہو۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پانچ دن پہلے یہ ارشاد فرمایا تھا:

ان من کان قبلکم کانوا یتخذون القبور مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد فانی انھٰکم عن ذلک۔	جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ قبروں کو مسجد بنا لیتے تھے۔ میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ قبروں کو مسجد نہ بناؤ۔ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔

اس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ اس قسم کی حدیثیں کتبِ صحاح میں موجود ہیں۔ اور یہ جو بعض لوگ مسجدوں میں کھج

کھاتے ہیں یا قندیلوں کے ساتھ بال لٹکاتے ہیں، ایک مکروہ بدعت ہے۔

تحائفِ زمزم اور کھجور اگر کوئی شخص زمزم کا پانی گھر اور وطن کو لے جائے تو یہ درست ہے سلف صالحین سے ایسا کرنا منقول اور ثابت ہے۔ اور یہ جو لوگ صیحانی کھجور ساتھ لے جاتے ہیں، اس کی فضیلت کہیں ثابت نہیں۔ اس سے تو کہیں برنی کھجور اور عجوہ (یہ بھی عمدہ قسم کی کھجور ہے) بہتر ہے چنانچہ ایک صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جو شخص صبح سویرے سات دانے عجوہ کھجور کے کھالے، اس دن کے اندر اس کو کسی قسم کا زہر یا جادو ضرر نہیں پہنچائے گا۔ صیحانی کھجور کے بارے میں تو کچھ بھی ثابت نہیں اور یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کو صیحانی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا تھا (گویا وہ اس کو صیاح = چیخ پکار کے لفظ سے مشتق سمجھتے ہیں) یہ غلط ہے اور کہنے والے کی جہالت کی دلیل ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ دراصل یہ ہے کہ تصوح کے معنے عربی زبان میں خشک ہونے کے ہیں چونکہ اس قسم کی کھجور کو سکھا کر بیچتے ہیں۔ اس لئے اس کا نام صیحانی پڑ گیا۔ یہ بعینہٖ اسی طرح کا جاہلانہ قول ہے جس طرح کہ بعض جاہل کہتے

ہیں کہ عین الزرقاء جو ایک چشمے کا نام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے سے پہلے مدینہ میں موجود نہیں تھا۔ آپ کے ساتھ مکہ معظمہ سے چلا آیا تھا حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ کے عہد مبارک میں کوئی بھی چشمہ رواں موجود نہ تھا۔ عین الزرقاء اور عیون حمزہ وغیرہ سب کے سب عہد رسالت کے بعد ظہور میں آئے۔

کراہیتِ آوازِ بلند ہر ایک مسجد میں آواز بلند کرنا اور زور زور سے بولنا منع ہے لیکن مسجدِ نبویؐ میں اس کی کراہت شدید تر ہے مستند روایت ہے کہ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضؓ نے دو آدمیوں کو رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں زور زور سے بولتے ہوئے سُنا، تو فرمانے لگے اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ تم اسی شہر کے باشندے ہو تو میں تمہیں خوب مارتا کہ تم اس کا درد محسوس کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اس طرح زور زور سے نہیں بولا جاتا۔"

اس لئے یہ جو بعض لوگوں کا دستور ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر بہت اونچی آواز سے کہتے ہیں السلام علیک یا رسول اللہ یہ قبیح ترین ممنوعاتِ شرعیہ میں سے ہے سلف صالحین نماز کے بعد نہ تو اونچی آواز سے اور نہ ہی پست آواز سے یہ کہا کرتے تھے بلکہ

نماز کے اندر ان الفاظ کا زبان پر لانا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کافی سمجھا جاتا تھا اور یہی مشروع ہے۔ جیسے کہ ہر ایک وقت اور ہر ایک جگہ (زمان اور مکان کی تخصیص کے بغیر) آپؐ پر درود کہنا مشروع ہے۔ چنانچہ صحیح حدیثوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مَرَّۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ بِھَا عَشْرًا۔	جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت بھیجتا ہے

حل المشکلات کا نسخہ

مسند میں ہے کہ ایک شخص نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

یا رسول اللّٰہ! اجعل علیک ثلث صلاتی قال: اذا یکفیک اللّٰہ ثلث امرک، فقال اجعل علیک ثلثی صلاتی قال اذا یکفیک اللّٰہ ثلثی امرک، قال اجعل صلاتی کلّھا علیک، قال اذا یکفیک	یارسول اللہ! کیا میں اپنے وقت فراغت کا تیسرا حصہ آپؐ پر درود کہنے کے لئے وقف کر کردوں؟ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری مشکلات کا تیسرا حصہ آسان کردیگا۔ عرض کیا اگر اپنا دوتہائی وقت صرف کردوں؟ آپؐ نے فرمایا تو پھر دوتہائی مشکلات کو حل سمجھو۔ اس نے عرض کیا اگر اپنا پورا وقت آپؐ پر درود بھیجا کروں؟ فرمایا تو پھر تمہاری دُنیا و آخرت

الله ما اهمك من امر دنياك وامر آخرتك۔

کی کوئی بھی مشکل اٹکی نہیں رہیگی اور ہر قسم کے تردّد سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔

سنن اربعہ میں یہ روایت موجود ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا وَصَلُّوْا عَلَيَّ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ۔

میری قبر کو عید گاہ (میلہ گاہ) نہ بناؤ۔ اور جہاں کہیں بھی تم ہو مجھ پر درود و سلام کہو تمہارا درود مجھ کو پہنچ جائیگا۔

عبداللہ بن حسن کا قول

عبداللہ بن حسنؓ اپنے زمانہ میں عالی نسب بلند پایہ سادات کے امام اور مقتدا تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص دُعا کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر جانے کا قصد کر رہا ہے۔ انہوں نے اس سے کہا

"یا هذا، ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا تتخذوا قبري عيدًا وصلوا علیّ حيثما كنتم فان صلاتكم تبلغني" فما انت ورجل بالاندلس الاسواء۔

ارے میاں! "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری قبر کو عید گاہ (میلہ گاہ) نہ بنانا اور جہاں کہیں بھی تم ہو، مجھ پر درود وسلام بھیجا کرو، تمہارا درود اور سلام مجھ کو پہنچایا جاتا ہے"۔ (عبداللہ بن حسنؒ نے کہا) اس لئے اے خدا کے بندے تم اور اندلس کا رہنے والا دونوں برابر ہیں۔

اسی بنا پر سلف صالحین ہر وقت اور ہر جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بکثرت کہنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

ممانعت عرس اور عمل صحابہ سلف صالحین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس قرآن مجید کا ختم کرنے یا کچھ کھلانے پلانے یا چراغ جلانے یا نعت خوانی وغیرہ کے لئے جمع نہیں ہوا کرتے تھے۔ ایسا کرنا بدعت ہے سلف صالحین بجائے اس کے مسجد نبوی میں بھی وہی کچھ کیا کرتے جو تمام دوسری مسجدوں میں کیا جاتا ہے یعنی نماز پڑھنا، قرآن مجید کی تلاوت کرنا، ذکر خدا میں مشغول رہنا، جناب باریتعالیٰ سے دعائیں کرنا، اعتکاف بیٹھنا، کسی کو قرآن لکھانا پڑھانا، یا علوم دینیہ کی تعلیم دینا یا قرآن مجید اور علوم دینیہ کی تعلیم حاصل کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

ایصال ثواب کا مسئلہ سلف صالحین کو اس بات کا علم تھا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جو کوئی نیک عمل کرتا ہے تو جتنا اجر اس کو ملتا ہے، اتنا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ جو کوئی لوگوں کو ہدایت کرتا اور راہ راست پر لاتا ہے، تو جتنے لوگ بھی اس کی ہدایت سے فیضیاب ہو کر کوئی نیک عمل کرتے ہیں، ان سب کا ثواب اس کے

نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے، بغیر اس کے کہ اُن لوگوں کے اجروثواب میں کوئی کمی واقع ہو۔ اب کون یہ نہیں جانتا کہ امتِ مسلمہ کا ہر ایک نیک عمل آپ ہی کی بدولت اور آپؐ ہی کے ارشاد کا نتیجہ ہی تو ہے اس لئے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے ہر ایک فرد کے اعمالِ صالحہ کے اجروثواب میں برابر کے شریک ہیں۔

بنا بریں اس بات کی مطلق ضرورت نہیں کہ آپؐ کو نماز یا قرأت قرآن یا کسی صدقہ کا اجروثواب پیشکش کیا جائے۔ اب جو شخص بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ متبع ہوگا، اُتنا ہی وہ دنیا و آخرت میں آپؐ کے قریب تر ہوگا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ۔ (۱۲ : ۱۰۸)	کہہ دو، یہی میرا راستہ ہے۔ میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور وہ سب جو میرا اتباع کرتے ہیں، تو وہ بصیرت پر ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ اٰلَ اَبِیْ فُلَانٍ لَیْسُوْا لِیْ بِاَوْلِیَاءَ، اِنَّمَا وَلِیِّیَ اللّٰهُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔	فلاں خاندان کے لوگ میرے دوست نہیں میرا دوست تو خدائے پاک اور مومنین صالحین ہیں۔

فصل ۱۴

عاشقانِ رسولؐ کے لئے لمحۂ فکریہ

خدا اور رسول کے مدارج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک مومن کے لئے سب عزیزوں سے زیادہ عزیز حتیٰ کہ اس کی اپنی جان سے بھی قریب تر اور عزیز تر ہیں (یہ مفہوم قرآن پاک میں واضح ہے) اور اللہ تعالیٰ کے امر و نہی اور وعد و وعید کو اس کے بندوں تک پہنچانے کا ذریعہ بھی رسول کریم ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ اس لئے جس چیز کو آپؐ نے حلال بتایا اور جائز قرار دیا، وہی حلال اور جائز ہے اور جس کو آپؐ نے حرام کہا اور ممنوع بتایا، وہ حرام اور ممنوع ہے۔ دین ان احکام کے مجموعہ کا نام ہے جن کی تعلیم آپؐ نے دی معبودِ برحق اللہ تعالیٰ ہی ہے جس سے حاجتیں مانگی جاتی ہیں، مُرادیں پوری ہونے کے لئے اسی کو پکارا جاتا ہے۔ ہر ایک مشکل کے لئے اسی کی مدد طلب کی جاتی ہے۔ خوف و رجا اور امید و بیم کا مرکز وہی ہے اور اُسی پر آدمی کو بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۔	جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اور اللہ سے ڈرتے رہے اور اس کے حکم کی خلاف ورزی سے بچتے رہے وہی کامیاب اور بامراد ہونگے۔

اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ رسول کی اطاعت، اللہ کی اطاعت کے ہم پلہ ہے (کیونکہ رسول کے احکام درحقیقت خدا کے احکام ہوتے ہیں) لیکن ڈرنا اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنا، یہ خالص اللہ کا حق ہے۔ برخلاف اس کے رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مرادف ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔	جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی، بے شک اُس نے اللہ کی اطاعت کی

قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ	اگر یہ لوگ اسی پر راضی رہتے جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا (تو اچھا ہوتا) کاش وہ کہتے کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اللہ اپنے فضل سے ہمیں ضرور دے گا اور

اِلَى اللّٰهِ رَاغِبُوْنَ ۔	اس کا رسول بھی دیگا۔ بیشک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرتے ہیں۔

مسئلہ نیابت و کفایت الٰہی

سوچنے کی بات یہ ہے کہ دینے کی نسبت رسول اللہ ؐ کی طرف بھی کی گئی ہے لیکن کفایت کرنے والا (مرادیں پوری کرنے والا) صرف اللہ تعالیٰ ہی کو قرار دیا ہے فضل کی نسبت بھی فقط اسی کی طرف کی ہے (رسولؐ کو اس میں شریک نہیں کیا)" اور خالص اللہ تعالیٰ کی طرف راغب ہونے کی تلقین کی گئی ہے (توحید کا کتنا خیال رکھا گیا ہے)؟ البتہ دینے کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی (بحیثیت نائب اور خلیفہ) ہو سکتی ہے۔ جیسے کہ اس دوسری آیت میں ہے:

وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔	جو کچھ بھی رسول تم کو دے، اُسے لے لیا کرو اور جس سے منع کرے اُس سے باز آجایا کرو۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو کسی چیز کے لینے اور استعمال کرنے پر قدرت بخشی ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت قاہرہ کے بموجب جس کو کوئی چیز ملک اور سلطنت وغیرہ دینا چاہتا ہے یا اس سے

چھیننا چاہتا ہے کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ لیکن بہرحال ایک مرد مومن کا فرض یہ ہے کہ وہ اُسی چیز کو تصرّف میں لائے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے حلال فرمایا اور جائز قرار دیا ہے اور اس کے رسولؐ نے اس کو حلال اور جائز بتایا ہے۔

دعائے رسول اور مدارِ نجات

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے سر اٹھا کر قومہ کی حالت میں یہ دعاء پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔

بار خدایا! جو کچھ تو دینا چاہے اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو کچھ تو روک رکھے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور تیرے بغیر کوئی سربلند نفع نہیں دے سکتا۔ سربلندی تیری طرف سے ہی ہے

بالفاظِ دیگر کسی کی نجات کے لئے اس کا بخت، اقبال اور ملک ومال کچھ بھی مفید نہیں۔ صرف ایمان اور تقویٰ اس کی نجات کا موجب ہو سکتا ہے۔ کسی کی رحمتوں کی جانب راغب ہونا اور اس کی کارسازی پر بھروسہ رکھنا اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے۔ کسی دوسرے کی طرف راغب ہونا اس کی ذات کے ساتھ خوف ورجاء کو وابستہ کرنا اور اسی کو کارساز، مشکل کشا سمجھ کر اس پر بھروسہ رکھنا شرک ہے۔

مندرجہ بالا آیت میں اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی راغب ہو اور اسی کو اپنا کارساز اور حاجت روا سمجھے۔ ایک اور آیت میں ہے ؛

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ (۹۴: ۷، ۸)	جب آپ (تبلیغ وغیرہ سے) فراغت حاصل کریں تو عبادت کی ریاضت کرو اور اپنے رب کی طرف رغبت کریں

سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے :

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ (۳ : ۱۷۳)	یہ وہ (نیک) لوگ ہیں جن کو لوگوں نے کہا کہ تمہارے مقابلہ کے لئے تو خلقت جمع ہے اس لئے تمہیں اُن کا مقابلہ کرتے وقت خوف کھانا چاہیئے۔ اس بات سے ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور کہنے لگے اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کافی ہے (وہی ہمیں

ان کے شر سے بچائیگا، ان پر فتح دیگا) اور وہ بہت اچھا کارساز ہے ۔

شرکیہ عقیدہ

صحیح بخاری میں ابن عباس کا یہ قول منقول ہے کہ یہ کلمہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اُس وقت کہا تھا جبکہ کافروں نے آپؑ کو آگ میں ڈالا اور یہی کلمہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب نے اس وقت کہا تھا جبکہ بعض لوگوں نے ان کو کافروں کی جمعیّت سے ڈرایا۔ (جس کا ذکر اوپر کی آیت میں ہے)

ایک اور مقام پر قرآن مجید میں ارشاد ہے :-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (۸ : ۶۲)	اے نبیؐ! آپؐ کی اور آپؐ کے پیروی کرنے والے مومنین کی کارسازی کے لئے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔

جس کسی نے اس آیت کے معنی یہ کئے ہیں کہ "اے نبی! آپؐ کے لئے اللہ تعالیٰ اور آپؐ کے پیروکار مومن کافی ہیں، وہ گمراہ ہے، بلکہ اس قسم کا عقیدہ رکھنا (غیر اللہ کو کارساز جاننا) کفر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی سب مومنوں کے لئے کافی اور کارساز ہے۔ اس وصف میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (۳۹ : ۳۶)	کیا اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟

اللہ اور اس کے رسولؐ کے حقوق

لہٰذا عبادت کرنا، اس پر بھروسہ رکھنا، اُمید و بیم کو اسی کے ساتھ وابستہ رکھنا، حج اور زکوٰۃ اور نماز روزہ جملہ عبادات کو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ادا کرنا، اللہ تعالےٰ ہی کا مخصوص حق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق اس سے الگ ہیں مثلاً آپؐ پر ایمان لانا (خدا کا سچا رسول سمجھنا)، آپؐ کی اطاعت کرنا آپؐ کی سنت کو اپنے لئے اُسوہ حسنہ قرار دینا، آپؐ کے دوستوں کو دوست اور دشمنوں کو دشمن سمجھنا اور بالترتیب محبوب و مبغوض جاننا، اپنے اہل و اولاد بلکہ اپنی جان پر آپؐ کی محبت کو ترجیح دینا۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے کہ:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔	اُس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی بھی تم میں سے اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جبتک کہ وہ میری محبت کو اپنے باپ اور بیٹے بلکہ سب لوگوں کی محبت پر ترجیح نہ دے۔

بلکہ جہاد فی سبیل اللہ جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے ان سب چیزوں پر مقدم ہے۔

محبت بمعنی سراپا اطاعت شعاری

محبت کے معنی طبعی یا لفظی محبت نہیں یہاں تو محبت کی حقیقت سراپا اطاعت بن جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (۳ : ۳۰)	ان سے کہہ دو کہ اگر تم کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو میرا اتباع کرو، اس سے اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا

سورہ توبہ میں آیت ہے:۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ٰ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ	کہہ دو، اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا خاندان قبیلہ اور تمہارے وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں اور وہ سوداگری جس کی کساد بازاری کا تم کو خوف ہے اور وہ رہائشی مکان جو تمہیں مرغوب خاطر ہیں یہ سب چیزیں اگر تم کو اللہ اور اس کے رسول صلعم

سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۔ (۹ : ۲۴)	اور اُسکے دین کی حمایت کیلئے جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو پھر انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اس بارے میں اپنا حکم نازل فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کی قوم کو ہدایت نہیں بخشتا۔

اسی سورہ میں ایک اور آیت ہے:۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ تُرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔ (۹ : ۶۲)	اور اللہ اور اس کا رسول اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ اُن کی رضامندی حاصل کی جائے، بشرطیکہ وہ ایمان رکھتے ہوں۔

جو کچھ ہم نے اس رسالے میں لکھا ہے، اس کی تفصیل شرح و بسط سے ہم نے اپنی دیگر تصنیفات میں درج کی ہے۔

واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ وسلم والحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین۔

تمت الرسالۃ مناسک الحج لامام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ

ویلیھا رسالۃ مناسک الحج لامام محمد بن اسمٰعیل

نقشہ جبل عرفات

اور حاجیوں کی خیمہ گاہیں

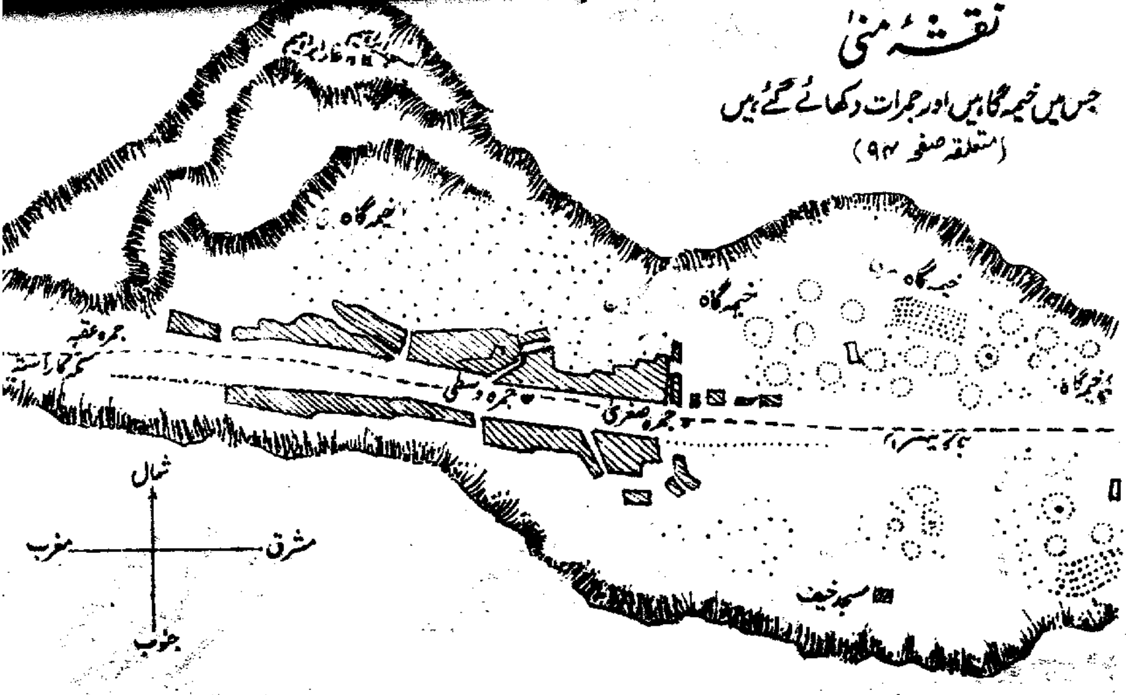
(متعلقہ صفہ نمبر ۸۳)



نقشہ منیٰ

جس میں خیمہ گاہیں اور جمرات دکھائے گئے ہیں

(متعلقہ صفحہ ۹۴)



مقدمہ از امیر صنعانی

علامہ محمد بن اسمٰعیل صنعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و بہ نستعین وھو حسبنا۔ اس خدائے پاک کے لئے سب تعریفیں ہیں جس نے اپنے خلیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو حکم دیا کہ:

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ (۲۲:۲۷)	وہ تمام لوگوں میں اعلان کر دے کہ وہ حج بیت اللہ شریف کے لئے پا پیادہ چل کر اور دبلی پتلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر چاروں طرف سے دور دراز راستے طے کر کے آئیں۔

اور درود و سلام نازل ہو اس رسول پر جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ (۳:۹۷)	اللہ نے لوگوں پر اپنے گھر کی زیارت کے لئے آنا فرض کیا ہے بشرطیکہ وہ اس جگہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔

آپؐ کی آل اور حضرت خلیل اللہ کی اولاد پر بھی درود و سلام ہو، جن کو انہوں نے ایک سنسان وادی میں آباد کیا۔ ان کی زندگی پاکیزہ تھی اور (حضرت خلیل اللہ کی دعا کے مطابق) لوگوں کے دل ان کی طرف

مائل ہوئے اور صبح شام اُن کے دل ادھر اُڑنے لگے۔ چار دانگ عالم سے لوگ رختِ سفر باندھ کر اس جگہ آتے رہتے ہیں۔ اس کی سڑکوں پر ہر وقت اونٹوں کی اور مسافروں کی کشمکش رہتی ہے اور ارکانِ[1] کعبہ (حجرِ اسود اور رکن یمانی) کو چومنے اور چھونے کے لئے ہر وقت بھیڑ لگی رہتی ہے۔ جس آدمی کو اس مقدس گھر تک پہنچنے کی سعادت نصیب نہیں ہوتی، وہ دن رات میں کئی مرتبہ اس کی طرف منہ کر کے خدائے پاک کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ کیوں نہ ہو، یہ وہی جگہ تو ہے جو تمام خدا پرستانِ عالم کا مرکز ہے اور وہ یہیں آکر ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ مجید میں اس گھر کی عزت و احترام کا بار بار ذکر فرمایا ہے اور اس کو اپنی ذاتِ اقدس کی طرف منسوب فرما کر اس کی عزت اور اس کے وقار میں بے انتہا اضافہ فرمایا۔ اس کی زیارت کر کے اہلِ شوق کے دل سیر نہیں ہوتے اور جب وہ اس سے لوٹتے ہیں تو وہ اس کی یاد میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ جن کی آنکھیں اس کے جمال سے منور ہوئی ہیں، وہ اُسے پھر دیکھنے کے لئے مضطرب رہتے ہیں۔ اس کی محبت میں اس تک پہنچنے کے لئے مال و جان کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اور اس کے شوق سے سرشار ہو کر دشت و جبل کا طے کرنا اور راستہ کی

---

[1] رکن کی جمع ارکان ہے اور معنی ستون ہے۔ بیت اللہ کے چاروں کونوں کو ارکان کہتے ہیں۔ حجرِ اسود مشرقی رکن ہے۔ مغربی رکن کو رکن عراقی اور شمالی کو شامی کہتے ہیں، اور جنوبی کو رکن یمانی۔ رکن یمانی کا پتھر بھی قدیمی ہے۔

سختیاں جھیلنا آسان ہو جاتا ہے۔ ہم نے خود کتنی ایسی راتیں اس مبارک سفر میں بسر کی ہیں جن میں ہماری آنکھ تک نہیں جھپکی۔ اور اگر اس بیت مقدس تک آدمی اس قسم کی تکالیف خوشی سے برداشت کرے تو اس میں تعجب ہی کیا ہے۔ آخر یہ خدائے پاک کا وہ گھر ہے جس کے اردگرد کے علاقہ کو اس نے اپنا حرم قرار دیا ہے۔ وہ اس کے پیارے رسولوں کی آمدورفت کی جگہ ہے' اور وہیں ان پر اس کی وحی اور اس کا کلام نازل ہوتا رہا ہے۔ باوجود مدت ہائے دراز کے گذرنے (اور کئی قسم کے انقلابات کے پیش آنے) کے بھی یہ مقدس گھر جوں کا توں قائم ہے۔ جس کا طواف کرنا اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، کنکر پھینکنا اور سر منڈانا وغیرہ مناسک[1] اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مشروع فرمائے ہیں۔

---

[1] مناسک جمع ہے نُسک کی، جس کے معنی ایسے امور ہیں جن کو عمل میں لائے بغیر حج پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتا۔ وہ کل گیارہ ہیں:

(۱) اِحرام۔ (۲) طوافِ کعبہ۔

(۳) سعی ما بین صفا و مروہ۔ (۴) قیام عرفات۔

(۵) شب بسریٔ مزدلفہ۔ (۶) مشعر الحرام سے گزرنا۔

(۷) جمرۃ العقبہ۔ (۸) حلق و تقصیر

(۹) طواف الافاضہ۔ (۱۰) قیام منیٰ اور قربانی۔

(۱۱) طواف الوداع۔

وجہ تالیف

حمد و صلوٰۃ کے بعد التماس یہ ہے کہ یہ مناسکِ حج کا ایک رسالہ ہے جس کا ہر ایک مسئلہ کتاب و سنّت کے تحریف نا کردہ دلائل کے مطابق ہے میں نے اس کو اپنی رہنمائی کے لئے لکھا ہے۔ اس اُمید پر کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ مجھ کو حج بیت اللہ شریف کرنے کی توفیق بہترین مسنون طریقہ پر مرحمت فرمائے۔ کیونکہ عبادات کی جملہ انواع و اقسام میں بدعت دخل پا چکی ہے۔ اور اکثر لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ قویمہ سے روگردانی کی ہوئی ہے۔ یا تو وہ سنّتِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام والتحیۃ کے عین متضاد طریقہ پر عامل اور کاربند ہیں اور یا کم از کم حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔

باب ۲
مبادیاتِ حج

فصل ۱
ترغیباتِ فریضۂ حج

سب سے افضل عمل

صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کونسا نیک عمل سب سے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا ایمان باللہ و رسولہ (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنا)۔ عرض کیا گیا، اس کے بعد کونسا عمل سب سے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: الجہاد فی سبیل اللہ (اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنا)۔ پھر عرض کیا گیا تیسرے درجہ پر کونسا عمل سب سے بڑھ کر فضیلت رکھتا ہے؟ آپ نے فرمایا: حج مبرور۔

حج مبرور کی حقیقت

حج مبرور کی حقیقت بھی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں موجود ہے چنانچہ صحیح ابن خزیمہ، بیہقی

اور مستدرک حاکم میں جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الحج المبرور لیس لہٗ جزاء الا الجنۃ۔	حج مبرور کی جزا سوائے جنت کے اور کچھ نہیں ہے۔

کسی نے عرض کیا، یارسول اللہ حج مبرور کسے کہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا

اطعام الطعام وطیب الکلام۔	(حج کے دوران میں) کھانا کھلانا اور خندہ پیشانی اور خوش خلقی کے ساتھ بولنا۔

صحیح ابن حبان اور بیہقی میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

ما ترفع ابل الحاج رجلاً ولا تضع یداً الا کتب اللہ لہ بھا حسنۃ او محا عنہ سیئۃ او رفع درجۃ۔	حاجی جس اونٹ پر سوار ہوتا ہے، اس کے ہر ایک قدم اٹھانے پر اور اس کے ہر مرتبہ اپنے قدم کو زمین پر ٹیکنے پر اس حاجی کو ایک ایک نیکی ملتی ہے، ایک گناہ معاف ہوتا اور ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔

بیہقی نے ابوہریرہؓ سے نقل کی ہے۔ کہتے ہیں میں نے ابوالقاسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

من جاء یؤم البیت الحرام فرکب بعیرہ فما یرفع البعیر خفا ولا یضع خفا الا کتب	جب کوئی شخص بیت اللہ شریف کا قصد کر کے اونٹ پر سوار ہوتا ہے تو اس کے ہر ایک قدم اٹھانے اور رکھنے پر اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے

الله له بها حسنة وحط عنه خطيئته ورفع له بها درجة حتى اذا انتهى الى البيت فطاف وسعى بين الصفا والمروة ثم حلق او قصر اخرج من ذنوبه كيوم ولدته امه	ایک برائی اس کی مٹا دی جاتی ہے اور ایک درجہ اس کا بلند کر دیا جاتا ہے' یہاں تک کہ جب وہ بیت اللہ شریف تک پہنچ کر اس کا طواف کرتا ہے' پھر صفا اور مروہ کے درمیان چکر لگاتا ہے' اور بعدازاں سر کو منڈاتا یا کترتا ہے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے گویا ابھی اس کو ماں نے جنا ہے۔

لاکھ گنا ثواب دارقطنی، طبرانی اور حاکم نے اپنی اپنی کتب حدیث میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عباسؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی ہے

من حج من مكة ماشيًا حتى يرجع الى مكة كتب الله له بكل خطوة سبع مائة حسنة من حسنات الحرم۔	جو شخص مکہ شریف سے یا پیادہ چل کر حج کے مناسک بجا لاتا ہے' مکہ شریف میں واپس پہنچنے تک اس کے ہر ایک قدم پر حرم شریف کی سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

کسی نے عرض کیا، حرم شریف کی نیکیاں کیسی ہوتی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

كل حسنة مائة الف حسنة۔	حرم شریف کی ہر ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔

بظاہر اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حرم شریف میں جو عمل صالح کیا جائے اس کا اجر و ثواب دوسری جگہ کی نسبت بہت زیادہ ملتا ہے۔ اعمالِ صالحہ کی

مثال یہ ہے مثلاً ادائے مناسک کے لئے چلنا، روزہ رکھنا، کوئی صدقہ دینا وغیرہ وغیرہ۔

حاجی اللہ کے مہمان نسائی اور ابن ماجہ کے سنن میں اور صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ میں ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

الحجاج والعمار وفد الله ان دعوه اجابهم وان استغفروه غفرلهم۔	حج اور عمرہ کرنے والے اللہ کے معزز مہمان ہیں، اگر وہ کوئی دعاء کریں تو وہ قبول کی جاتی ہے، اگر مغفرت طلب کریں تو گناہ بخشے جاتے ہیں۔

مسند بزار میں جابر بن عبداللہ کی روایت سے اسی طرح کی روایت موجود ہے۔ علامہ منذری کہتے ہیں کہ اس حدیث کی روایت میں جتنے راوی ہیں، وہ سب ثقہ قابلِ اعتماد ہیں۔

فصل ۲

سفرِ حج، اس کی تیاری اور آداب

استخارہ اب جو شخص فریضۂ حج ادا کرنا چاہے اور ندائے خلیل پر لبیک کہہ کر اس کی تعمیل پر آمادہ ہو تو سب سے پہلے استخارہ کرنا چاہئے کیونکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک مہم کو شروع کرنے سے پہلے استخارہ فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

چنانچہ آپؐ کی ایک حدیث ہے :

اذا ھم احدکم بامر فلیرکع رکعتین من غیر الفریضۃ۔	جب تمہیں کوئی بات اہم نظر آئے تو فرضوں کے علاوہ دو رکعت نماز پڑھو۔ الخ

جو دُعا پڑھی جاتی ہے اس کی بھی آپؐ نے اسی حدیث میں تعلیم فرمائی ہے جو اہلِ علم کے ہاں مشہور ہے۔

تلاشِ رفیق و امیرِ قافلہ

استخارہ کرکے جب جانا قرار پائے تو پھر رفیقِ سفر کی تلاش کرے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیلے سفر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپؐ سے ایک حدیث منقول ہے کہ :

الواحد شیطان والاثنین شیطانان والثلاثۃ رکب۔	تنہا سفر کرنے والا شیطان ہے، دو مل کر سفر کرنے والے دو شیطان۔ تین ساتھی ہوں تو قافلہ ہے۔

اس لئے آدمی کو قافلہ کے ساتھ رہ کر جانا چاہیئے۔ قافلہ (خواہ چھوٹا ہو خواہ بڑا) والوں کو چاہیئے کہ وہ اپنا ایک امیر مقرر کرلیں۔ ابوداؤد اور نسائی نے ابوہریرہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپؐ کا ارشاد ہے :

اذا خرج ثلاثۃ فی سفر فلیامروا احدھم۔	جب تین آدمی سفر کے لئے نکلیں تو ان کو چاہیئے کہ ایک کو اپنا امیر بنالیں۔

فرائضِ امیر و اہلِ قافلہ

جو شخص اس طرح امیر مقرر ہو۔ اس کے فرائض وہی ہونے ہیں جو ایک امیر کے ہونے چاہئیں یعنی وہ اپنے قافلہ کی ہر طرح سے خبر گیری کرے اور ہر بات میں اُن کی

خیر خواہی کرے۔ اور تمام قافلہ والوں کا فرض یہ ہے کہ اس کی بات سنیں اور اس کی تعمیل کریں۔

گھر سے نکلنا پھر اپنے گھر سے نکلنے سے پیشتر دو رکعت نماز پڑھے۔ بیہقی نے ابوہریرہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اذا خرجت من منزلك فصلی رکعتین یمنعانك مخرج السوء۔	جب تم گھر سے نکلنے لگو تو دو رکعت نماز پڑھ لیا کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا یہ سفر ہر طرح کی برائی سے محفوظ رہیگا۔

حلال کمائی سے سفر خرچ حج بیت اللہ شریف کے سفر مبارک پر جو کچھ خرچ کرنا چاہتا ہے، وہ اس کی خالص حلال کی کمائی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

انّ اللہ تعالیٰ طیّب لا یقبل الّا طیّباً	اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک چیز ہی کو قبول فرماتا ہے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے اور یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔ ابن عدی نے اپنے مجموعۂ حدیث میں اور دیلمی نے کتاب الفردوس میں حضرت عمرؓ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

اذا حج رجل بمال من غیر حلّہ فقال لبّیك اللّٰھم لبّیك	جب کوئی شخص حج پر حرام کمائی خرچ کرتا ہے تو جب وہ کہتا ہے لبّیك اللّٰھم لبّیك، تو

قال اللہ تعالیٰ لا لبیک و لاسعدیک ۔	اللہ تعالیٰ سے اس کو یہ جواب ملتا ہے کہ :۔ لا لبیک ولا سعدیک

تمہارا یہ کہنا تم کو لوٹا دیا جاتا ہے ۔

کسی شاعر نے یہ دو بیت کتنے اچھے کہے ہیں :۔

اذا حججت بمال اصلہ سحت   فما حججت ولکن حجت العیر

مایقبل اللہ الا کل صالحۃ   ما کل من حج بیت اللہ مبرود

(ترجمہ : جب تم مالِ حرام خرچ کرکے حج کرتے ہو تو تم نے حج نہیں کیا بلکہ اس قافلہ نے حج کیا جس میں کہ تم ہو ۔ اللہ تعالیٰ تو صرف اس عمل کو شرفِ پذیرائی بخشتا ہے جو عمل صالح ہو ۔ ہر ایک شخص جو بیت اللہ شریف کا حج کرے، اس کا حج مقبول نہیں ہو جاتا) ۔

دوستوں کو الوداع

مستحب یہ ہے کہ جمعرات کے دن صبح سویرے گھر سے نکلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے اُن لوگوں کے حق میں برکت کی دعا کی ہے جو کسی سفر کے لئے جمعرات کے دن صبح سویرے روانہ ہوتے ہیں ۔ روانہ ہوتے وقت اپنے بھائی بندوں اور دوستوں کو الوداع کہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا ۔ ابن عساکر اور دیلمی نے زید بن ارقم کی روایت سے آنحضرت صلعم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے :

اذا خرج احدکم الی سفر فلیودع اخوانہ	جب تم میں سے کوئی سفر پر جانے لگے تو ان دوستوں کو الوداع کہے جو وطن ہی میں

المقیمین فان اللہ جاعل له فی دعاءهم البرکة۔	مقیم رہیں گے۔ جو دعا یا عزہ و احباء اس کے حق میں کریں گے اس کی بدولت اُس کے سفر میں اللہ تعالیٰ برکت دیگا۔

دعائے احباب جب وہ اپنے بھائیوں اور اعزہ سے رخصت ہونے لگے تو اُن کو وہی کہنا چاہئے جو حدیث میں ثابت ہے یعنی یہ کہ:

زودك الله التقوى وغفر ذنبك ويسر لك الخير حيث ما كنت۔	اللہ تعالیٰ تم کو توفیق بخشے کہ تمہارا زاد راہ تقویٰ ہو، تمہارے گناہوں کو وہ معاف کردے اور جہاں بھی تم رہو، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے خیر و برکت کے اسباب مہیا فرمائے۔

ترمذی وغیرہ نے کتب حدیث میں حضرت انسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک یہ تھی کہ جب آپؐ کسی کو رخصت فرماتے اور اس کو الوداع کہتے تو اُسے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی وصیت فرماتے اور اس کو تاکید کرتے کہ وہ تکبیر کہا کرے۔ اور جب وہ رخصت ہو چکتا تو اس کے لئے دعا فرماتے صحاح میں ثابت ہے کہ ایک شخص نے حضور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں سفر پر جانا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا:

اوصیك بتقوى الله و التكبير على كل شرف۔	میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر ایک ٹیلے پر چڑھتے وقت تکبیر کہنا۔

جب وہ پیٹھ پھیر کر چلا تو آپؐ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ آئے:

اللھم ازولہ الارض وھون علیہ السفر ۔	بارخدایا! اس کے لئے منزل اور مسافت کو مختصر کر دے اور سفر کو آسان فرما دے ۔

سفر پر روانگی کی دُعا

بیہقی وغیرہ نے بروایت انسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ جب آنحضرت صلعم سفر پر جانے کا ارادہ فرماتے تو جب بارادہ سفر کھڑے ہوتے، اس وقت یہ دُعا پڑھتے:

اللھم بك انتشرتُ و الیك توجھت دبك اعتصمت وعلیك توکلت اللھم انت ثقتی ورجائی اللھم اکفنی ما اھمنی و مالا یھمنی ومالا اھتم بہ وما انت اعلم بہ منی عن جارك وجل ثناءك ولا الہ غیرك اللھم زودنی التقوی واغفر ذنبی ووجھنی الی الخیر اینما توجھت ۔	بارخدایا! میں تیری مدد سے کھڑا ہوا، میں تیری ہی طرف متوجہ ہوا، میں تیری ہی پناہ میں آیا، اور میں نے تیرے اوپر ہی بھروسہ کر رکھا ہے۔ بارخدایا! تو ہی میری جائے پناہ اور تو ہی میری اُمیدوں کا مرکز ہے بارخدایا! جن باتوں نے مجھے فکرمند بنا رکھا ہے اور جن باتوں نے فکرمند نہیں بنایا، اور جن کا میں کچھ فکر نہیں کرتا، ان سب کا کارساز تو ہی بن جا جن باتوں کا علم تجھے مجھ سے زیادہ ہے، ان کے لئے بھی تو ہی میرا کارساز ہے تیرا پڑوسی عزت والا رہتا ہے۔ تیری تعریفیں بہت بڑی ہیں اور تیرے بغیر کوئی معبود نہیں بارخدایا! مجھ کو تقویٰ کا زادراہ مرحمت فرما،

میرے گناہوں کو بخش دے اور جدھر بھی میں رُخ کروں، میرا رُخ خیر و برکت کی طرف کر دیجیو۔

یہ کلمات آپؐ زبانِ مبارک پر لا کر چل پڑتے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر تشریف لے جانا چاہتے تو یہ دُعا پڑھتے:

اللّٰھم انت الصّاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللّٰھم اصحبنا فی سفرنا ھذا واخلفنا فی اھلنا اللّٰھم انی اعوذ بک من وعثاء السفر وکآبۃ المنقلب ومن الحور بعد الکور ومن دعوۃ المظلوم ومن سوء المنظر فی الاھل والمال	بارِ خدایا! سفر میں تو ہی ہمارا مصاحب اور ساتھی ہے اور گھر میں ہمارا خلیفہ ہے۔ یا اللہ! اس سفر میں تو ہمارا ساتھی رہ اور ہمارے گھروں میں ہمارا خلیفہ بن جا۔ بارِ خدایا! میں تجھ سے سفر کی تکلیفوں سے، لوٹنے کی غمگینی سے، کامیابی کا منہ دیکھ لینے کے بعد ناکامی سے، مظلوم اور ستم رسیدہ کی بددعا سے، اور گھر بار اور مال کو بری حالت میں دیکھ لینے سے پناہ مانگتا ہوں۔

سواری پر سوار ہونے کی دُعا

جب آپؐ سواری پر بیٹھ جاتے تو تین بار تکبیر کہنے کے بعد یہ آیت پڑھتے:

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (۴۳: ۱۳-۱۴)	پاک ہے وہ خدا جس نے ہمارے لئے اس سواری کو مسخر فرمایا حالانکہ ہم اسے قابو میں نہیں لا سکتے تھے بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے

اس کے بعد آپؐ فرماتے:

اللھم انی اسالک فی سفری ھذا البر والتقوی ومن العمل ما ترضی، اللھم ھون علینا السفر واطوعنا البعد، اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل، اللھم اصحبنا فی سفرنا واخلفنا فی اھلنا۔	بارخدایا! میں تجھ سے اس سفر میں نیکی اور تقویٰ کی توفیق مانگتا ہوں۔ ہمیں ان اعمال کی توفیق مرحمت فرما جن کو تو پسند فرماتا ہے۔ بارخدایا! ہمارے سفر کو آسان اور مسافت کو مختصر کردے۔ بارخدایا! سفر میں تو ہی ہمارا ساتھی ہے اور گھر میں تو ہی ہمارا خلیفہ ہے۔ بارخدایا! اس سفر میں تو ہمارا ساتھی رہ اور ہمارے گھروں میں ہمارا خلیفہ بن جا۔

یہ سب الفاظ کہنا آپؐ کی سنت ہے۔ آدمی کو اختیار ہے کہ جو الفاظ بھی چاہے کہے۔ لیکن بہتر ہوگا اگر سب کو اکٹھا کرلے۔

معمولِ نبویؐ

جب آپؐ اونٹ یا گھوڑے کی رکاب میں پاؤں ڈالتے تو کہتے "باسم اللہ" اور جب سواری کی پیٹھ پر سیدھے بیٹھ جاتے تو کہتے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (۴۳: ۱۳-۱۴)	پاک ہے وہ خدا جس نے ہمارے لئے اس سواری کو مسخر کردیا، حالانکہ ہم اسے قابو میں نہیں لاسکتے تھے۔ بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

اس کے بعد آپؐ تین بار کہتے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" تین بار کہتے اَللّٰہُ اَکْبَر

تین بار کہتے "سُبْحَانَ اللہ" پھر کہتے :

سُبْحَانَكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ	تو پاک ہے سوائے تیرے کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ بیشک میں ہی ظالموں سے تھا۔
سُبْحَانَكَ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ۔	تو پاک ہے بیشک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ مجھے بخش دے۔ بیشک تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو نہیں بخشتا۔

بلندی، ٹیلے یا گھاٹی پر چڑھنے کی دعا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام جب سفر میں ہوتے تو اگر کسی ٹیلے یا گھاٹی پر چڑھنا ہوتا تو تکبیر کہتے اور جب اترنے لگتے تو تسبیح کہتے حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلعم کسی ٹیلے یا اونچی جگہ پر چڑھتے تو کہتے :

اَللّٰهُمَّ لَكَ الشَّرَفُ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ وَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰى كُلِّ حَالٍ۔	بارخدایا! تیرا شرف سب شرف سے بڑھ کر ہے۔ اور ہر حالت میں تو لائق حمد و تعریف ہے۔

قیام کرنے کی دعا

آپؐ کے پڑاؤ فرمانے کے متعلق صحیح مسلم میں ہے کہ جب آپؐ کسی جگہ پر ڈیرہ لگاتے تو کہتے :

أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ	میں اللہ تعالے کے کامل کلمات کے ساتھ اس کی پیدا کی ہوئی ہر ایک چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

آپ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی پڑاؤ کرتے وقت یہ کلمات کہہ دے اُس کو کوئی چیز بھی نقصان اور ضرر نہیں پہنچائیگی۔

قیامِ سفر کی رات کی دُعا

مسند امام احمدؒ میں ایک مرفوع حدیث ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں ہوتے یا جہاد کرنے کے لئے نکلے ہوتے اور رات آجاتی تو آپؐ فرماتے

یا ارض! ربی و ربک اللہ اعوذ باللہ من شرک و شر ما فیک و شر ما خلق فیک وشر ما یدب علیک، اعوذ باللہ من شر کل اسد و اسود و حیۃ و عقرب و من شر ما سکن البلد و من شر والد و ما ولد۔	اے زمین! میرا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے، میں تمہارے شر سے اور تیرے اندر کی چیزوں کے شر سے اور تیرے اندر پیدا کی ہوئی چیزوں کے شر سے اور تیری سطح پر کی متحرک اشیاء کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ میں ہر ایک شیر اور ناگ سانپ، بچھو اور اس علاقہ کے باشندوں کے شر سے اور باپ اور اس کی اولاد کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔

آبادی میں داخل ہونے کی دُعا

جب آپؐ کی نظر کسی آبادی پر پڑتی اور آپؐ کا ارادہ اس آبادی کے اندر داخل ہونے کا ہوتا تو آپؐ فرماتے:

اللّٰھم رب السمٰوات السبع وما اظللن ورب	اے سات آسمانوں کے خدا اور ان تمام چیزوں کے خدا جن پر آسمانوں کا سایہ ہے۔ اے سات زمینوں

الارضین السبع وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الرّیاح و ما ذرین فانا نسئلک خیر ھٰذہ القریۃ وخیرا ھلھا وخیر مافیھا ونعوذ بک من شرھا وشرا ھلھا و شرما فیھا۔	کے مالک آقا اوران تمام چیزوں کے مالک و آقا جن کو وہ اٹھائے ہوئے ہے۔ اے شیطانوں کے رب اوران سب کے رب جن کوانہوں نے گمراہ کیا۔ اے ہواؤں کے خدا اوران چیزوں کے خدا جنہیں وہ لے اڑتی ہیں۔ ہم تجھ سے اس بستی کی بھلائی، اس کے باشندوں کی بھلائی، اور جو کچھ اس میں ہے، ان سب کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں (ان سب سے ہمیں بھلائی ہی

پہنچے) اور ہم اس بستی کے شر، اس کے باشندوں کے شر، اور جو کچھ اس میں ہے، ان سب کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

وادی میں داخلہ کی دعا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک سفر کرنے والے کو یہ ارشاد فرماتے تھے کہ جب وہ کسی وادی کے کنارے پر پہنچے تو تکبیر کہے اور لا الٰہ الا اللہ کہے۔ برخلاف اس کے جب اس میں اترے تو تسبیح میں مشغول ہو۔

طلب اعانت کی دعا

جب اس کی سواری کو ٹھوکر لگے تو بسم اللہ کہے اور جب اس کا کوئی جانور رسّہ تڑا کر چلا جائے تو کہے

یا عباد اللہ احبسوا (خدا کے بندو! اس کو میرے لئے روک دو۔)

اگر اس کو کسی قسم کی اعانت اور مدد کی ضرورت ہو تو تین بار کہے:

یا عباد اللہ، اعینونی۔ (اے خدا کے بندو! میری مدد کرو)۔

سفر میں صبح کی دعاء جب آپؐ حالتِ سفر میں ہوتے اور پو پھٹنے لگتی تو آپؐ فرماتے:

سمع سامع بحمد اللہ و نعمتہ وحسن بلائہ علینا ربنا صاحبنا وافضل علینا عائذا باللہ من النار۔	سننے والے نے سن لیا کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے نعمتوں کا نازل کرنے والا وہی ہے اور وہی ہم پر نعمتیں نازل کرتا رہتا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمارا ساتھی رہ اور ہم پر احسان فرما میں آگ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

ان الفاظ کو آپؐ تین بار دہراتے اور اونچی آواز سے کہتے۔

مسافر کو نصیحت جب کوئی سفر کرتا اور سرسبز موسم ہوتا تو آپؐ اس سے یہ ارشاد فرماتے کہ راستہ میں اپنے اونٹ کو خوب چرائے۔ برخلاف اس کے اگر خشک سالی ہوتی تو آپؐ اس کو یہ ہدایت فرماتے کہ (قحط زدہ علاقہ سے) جلدی جلدی گزر جائے"اور جب رات کو آرام اور استراحت کرنا مطلوب ہو تو راستہ سے ایک طرف ہو کر اترے۔ یہ باتیں صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث میں مذکور ہیں آپؐ اکثر یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ رات کو چلنا ہو تو رات کے آخری حصہ میں سفر کرو۔ اس سے سفر کا بوجھ ہلکا معلوم ہوتا ہے۔ آپؐ یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جانور پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے۔ اور نہ ہی اس کو کچھ زیادہ تکلیف دی جائے[1] نیز معمولی مسافت سے

---

[1] مندرجہ بالا اونٹ کو خوب چرائے الخ والے ارشاد میں یہی راز ہے۔

زیادہ منزل اس سے نہ کرائے۔ آپؐ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنی سواری کو کرسی خیال کرلے اور اس پر بیٹھ کر اپنے دوستوں کے ساتھ بات چیت (اور گپ شپ) میں مشغول رہے۔"

اس کے علاوہ سفر کے اور بھی بہت سے آداب ہیں۔

فصل ۳

ہدایاتِ دورانِ سفر

ہم سفروں سے حسن سلوک

جب آدمی گھر سے نکل پڑے تو اپنے تمام سفر میں اپنے ساتھیوں سے نہایت اچھا سلوک رکھے، نرمی اور ملاطفت اختیار کرے، ہر ایک کام میں ان کا ہاتھ بٹائے۔ اپنی زبان کو بری باتوں اور لغویات سے روک رکھے۔ کوئی اچھی بات زبان پر لائے، اور اپنے اعضاء و جوارح کو نیکی کرنے میں مشغول رکھے، کوئی بری حرکت ان سے صادر نہ ہونے دے۔ ہمیشہ مصیبت زدہ کی دستگیری کرے اور اس کی تکلیف اور مصیبت کو دور کرنے کی ہر طرح سے کوشش کرے۔ اگر کوئی شخص اس کے ساتھ درشتی اور بدخلقی سے پیش آئے یا اذیت دے تو اسے برداشت کرنا چاہیے۔

قافلۂ حجاج کا شیطان

ایک روایت میں ہے کہ جب حاجیوں کا قافلہ تیار ہوتا ہے تو اس کے ساتھ چلنے کے لئے

انہیں بھی اپنا قافلہ تیار کرلیتا ہے اور اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ حاجیوں کو نیکی کے کاموں سے روکے اور حتی الامکان بُرائیوں پر ان کو آمادہ کرے، اور ان کے درمیان بغض، کینہ اور عداوت کی آگ بھڑکائے۔

نیک بختی کی علامت نیک بخت وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ ان آزمائشوں میں محفوظ رکھے۔ اگر آدمی کے پاس گنجائش ہو، تو اپنے زادِ راہ سے دوسرے اہل حاجت حجاج کی مدد کرے۔ اس سے پہلے ایک حدیث ہم لکھ چکے ہیں کہ حجِ مبرور (حج مقبول) کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی دوسروں کو کھانا کھلائے اور خوش کلامی سے اُن کے دلوں کو مسحور کرے۔

نمازِ سفر میں اُسوۂ نبویؐ سفر کی حالت میں آپؐ کی عادتِ مبارک یہ تھی کہ نماز میں قصر فرماتے تھے۔ چار رکعت کی بجائے دو رکعت پڑھا کرتے تھے، اور ادائے فرائض پر اکتفا فرمایا کرتے تھے۔ صرف فجر کی دو رکعت نماز فرض سے پہلے پڑھا کرتے۔ سوائے اس کے دوسرے نوافل نہیں پڑھا کرتے تھے۔ ہاں وتر دن کا ادا کرنا بھی ترک نہیں فرماتے تھے۔ سنتِ فجر اور وتر کو آپؐ سفر میں بھی ادا کیا کرتے تھے۔

جب آپؐ کو سورج ڈھلنے کے بعد سفر شروع کرنے کا اتفاق ہوتا تو نمازِ ظہر اور عصر کو یکجا ادا فرما لیتے۔ اور اگر سورج ڈھلنے سے پہلے سفر شروع کرتے تو پھر نمازِ ظہر کے ادا کرنے میں تاخیر فرماتے اور جب نمازِ عصر

کا وقت ہوتا تو اُتر کر دونوں کو پڑھ لیتے مغرب اور عشاء کی نماز دن کی بھی یہی کیفیت تھی۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی روایت سے ثابت نہیں ہوا کہ سفر میں کسی نماز کا وقت شروع ہو جانے پر اُس وقت کی نماز تو پڑھ لیتے اور دوسری نماز کو جو اس کے بعد ہوتی مؤخر کر کے پڑھتے۔ آپؐ سے یہ بھی ثابت ہے کہ مطلق نوافل آپؐ سواری پر ادا کر لیا کرتے تھے۔

فصل

ہدایات برائے احرام

مردِ حاجی جب آدمی میقاتِ شرعی پر پہنچ جائے اور احرام باندھنا چاہے تو اُسے کپڑے اُتار کر غسل کرنا چاہئے۔ اس وقت جس فرض نماز کا وقت ہو، وہ پڑھ لے۔ پھر جو کپڑے اُس کو میسر ہوں، وہ پہن لے اور جو خوشبودار چیز سرِ دست ہاتھ لگے اس کو استعمال کر لے صرف ان کپڑوں کے پہننے سے اجتناب کرے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کو منع فرمایا ہے۔ صحیحین اور ابوداؤد اور نسائی میں ابن عمر سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ محرم کونسے کپڑے پہن سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

لا یلبس المحرم القمیص ولا العمائم | محرم آدمی نہ کرتہ پہنے، نہ پگڑی باندھے،

ولا البرنس ولا السراویل ولا ثوب مسہ ورس او زعفران ولا الخفین الا ان لا یجد نعلین فلیقطعھما حتی یکونا اسفل من الکعبین۔

نہ پاجامہ باندھے، نہ سر پر ٹوپی رکھے جس کپڑے پر زعفران یا ورسؔ لگا ہو، وہ بھی نہ پہنے اور موزے بھی نہ پہنے۔ لیکن جس کو جوتا نہ ملے وہ موزوں کو کاٹ ڈالے کہ وہ ٹخنوں سے نیچے ہو جائیں۔

عورت حاجی عورت نے حج کا احرام باندھا ہو تو اس کو آپؐ نے نقاب اور دستانوں کے پہننے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح وہ بھی کوئی ایسا کپڑا نہ پہنے جس کو ورس یا زعفران لگا ہو۔ اس کے سوا ہر قسم کا کپڑا پہننا عورت کے لئے جائز ہے۔

مشعلِ راہ برائے حجاج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح اسناد کے ساتھ ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: خذوا عنی مناسککم۔ (مناسکِ حج مجھ سے سیکھ لو)۔ یہ ارشاد آپؐ نے اُس وقت فرمایا تھا جبکہ آپؐ حج کرنے میں مشغول تھے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حج کے شروع سے لے کر اس کے ختم ہونے تک اُن تمام افعال کی تفصیل کر دی جائے، جن کا کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور تمام مناسک جس طریقہ پر آپؐ نے ادا فرمائے، وہ اس طرح تمہارے سامنے آجائیں، گویا تم اُن کو دیکھ رہے ہو۔ علامہ ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں ان مناسک کو نہایت بسط و تفصیل سے لکھا ہے۔

ؔ ایک رنگ کا نام ہے جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں۔

اب ہمارا مقصد یہ ہے کہ مناسکِ حج کے متعلق جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور قول سے ثابت ہے، اس کو بیان کریں تاکہ اگر کوئی آپؐ کے اسوۂ حسنہ کا اتباع کرنا چاہے تو یہ بیان اس کے لئے مشعلِ راہ کا کام دے سکے۔

(**نوٹ** :- مصنف علیہ الرحمۃ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج (جو حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے) کے تفصیلی واردات وکیفیات کا جو نقشہ کھینچا ہے، باب سوم میں درج ہے۔

فریضۂ حج میں کل گیارہ مراحل ہیں جن کو "نسک" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک نسک ادا نہ کیا جائے یا غیر مشروع طریقے سے ادا کیا جائے تو حج فاسد ہو جاتا یا ناقص رہ جاتا ہے۔

سب سے پہلا نسک احرام باندھنا ہے۔)

ناشر

باب ۳

تفصیلِ روئدادِ حجِ نبوی

فصل

نسکِ اوّل

شب باشی ذوالحلیفہ اور احرام حج کا آغاز احرام سے ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ یعنی سنیچر کے دن جبکہ ماہ ذیقعدہ کے صرف تین دن باقی تھے، ظہر کی نماز مدینہ منورہ میں ہی پڑھ کر روانہ ہوئے۔ ذوالحلیفہ کے مقام پر (جسے آجکل بیئرِ علی کہتے ہیں۔) آپؐ نے عصر کی نماز دو رکعت ادا فرمائی۔ اور رات کو وہیں قیام فرمایا۔ مغرب اور عشا اور صبح کی نماز وہیں ادا کی پھر جب آپؐ نے احرام باندھنا چاہا تو پہلے غسل فرمایا۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے حضورؐ کے ہاتھوں اور سر پر خوشبو لگائی یہ خوشبو ذریرہ[1] اور مشک پر مشتمل تھی یہاں تک کہ مشک کی چمک

---

[1] ذریرہ ایک قسم کا خوشبودار چھڑکنے کا پوڈر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ اور داڑھی میں نمایاں تھی۔ خوشبو کے اس اثر کو آپؐ نے احرام کے بعد بھی باقی رکھا اور اسے دھویا نہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے تہبند باندھا اور وہیں ذوالحلیفہ میں (دوسرے دن) ظہر کی نماز دو رکعت پڑھی۔ بالفاظ دیگر آپؐ نے پانچ نمازیں ذوالحلیفہ میں ہی پڑھیں۔ ظہر کی نماز کے بعد اسی جگہ پر حج اور عمرہ کے لئے احرام باندھا۔ احرام باندھنے سے پہلے اپنی قربانی کے اونٹ کے گلے میں دو جوتے لٹکائے اور اس کے دائیں جانب اشعار کیا۔ اشعار کے معنی یہ ہیں کہ اسی جانب سے اس کے کوہان میں برچھی سے زخم کیا۔ اور اس کے خون کو زخم کے منہ سے بہادیا۔ اس بات کے ثبوت کیلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کا احرام باندھا تھا (عمرہ اور حج دونوں کا احرام اکٹھا باندھا تھا) علامہ ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں ستائیس حدیثیں ذکر کی ہیں جو سترہ مختلف صحابیوں سے مروی ہیں۔

تلبیہ کی دعا احرام باندھتے وقت آپؐ سے ان الفاظ کا کہنا منقول ہے جس کو تلبیہ کہتے ہیں :۔

لبیك اللّٰھم لبیك لبیك لا شریك لك لبیك ان الحمد والنعمة لك والملك لاشریك لك لبیك الٰہ الحق لبیك ۔	میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں سب تعریفیں تیرے لئے اور سب نعمتیں تجھی سے ہیں ملک بھی تیرا اور تو لا شریک ہے میں حاضر ہوں اے معبود برحق میں حاضر ہوں۔

یہ بھی آپ کی سنت ہے کہ جس چیز کا احرام باندھا جائے اُس کا ذکر کیا جائے۔ چنانچہ شیخین (بخاری اور مسلم) اور ابوداؤد اور نسائی نے حضرت انس رضؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تلبیہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا: لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا" آپ کی یہ بھی سنت ہے کہ تلبیہ کو بلند آواز سے کہا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ "جبرئیل علیہ السلام نے میرے پاس آکر کہا کہ اپنے صحابہؓ کو حکم دو کہ وہ بلند آواز سے تلبیہ کہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت بھی ثابت ہے کہ جب آدمی قافلہ سے (یا اپنے ساتھیوں سے) ملے یا کسی ٹیلے پر چڑھے یا کسی وادی میں اُترے تو تلبیہ کہے۔ نیز فرض نماز ادا کرکے اور رات کے آخری حصہ میں تلبیہ کہا کرے۔ آپؐ نے حج کرتے وقت جب تک (بقرعید کے دن) جمرۃ العقبہ پر کنکر نہ پھینک لئے، تلبیہ کہنا جاری رکھا۔ جیسا کہ آگے مذکور ہے۔

محرّماتِ احرام

اُس آیت کے مطابق جو سورۂ بقرہ میں ہے اللہ نے حج کے دوران میں صنفی خواہش کی باتوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور جھگڑنے کو حرام قرار دیا ہے (فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ)۔ صحیحین میں ابوہریرہ رضؓ کی روایت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث منقول ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

من حج فلم یرفث و لم یفسق رجع من ذنوبہ کیوم ولدتہ امہ

جس نے حج کیا اور صنفی خواہش کی باتوں سے پرہیز کی اور اللہ کی نافرمانی سے بچا رہا، وہ گناہوں سے ایسا پاک ہوگیا گویا ابھی اُس کی ماں نے اُسے جنا ہے۔

علامہ منذری کہتے ہیں، کبھی تو رفث کا لفظ ہمبستری اور صنفی خواہش پورا کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، کبھی اس کا اطلاق فحش باتوں پر ہوتا ہے اور کبھی اس سے یہ مفہوم مراد لیا جاتا ہے کہ اُس نے صنفی خواہش کے موضوع پر بات چیت کی۔ اہل علم میں سے ہر ایک کا مسلک جداگانہ ہے۔ انہی تین معانی میں سے ہر ایک معنی کو علماء کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کا عام مفہوم لیا جائے، جس کے معنی بالفاظِ دیگر یہ ہیں کہ یہ تینوں باتیں حج کے دوران میں حرام سمجھی جائیں۔

شکار کا گوشت

پھر یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے محرم کے لئے جبتک اس نے احرام نہیں کھولا، خشکی کا شکار کرنا حرام کیا ہے[1] خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرما دیا ہے کہ "جو شکار محرم خود کرے یا اس کے لئے شکار کیا جائے، دونوں کا گوشت کھانا حلال نہیں بصورتِ دیگر شکار کا گوشت کھانا حلال ہے۔ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں بروایت جابر بن عبداللہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث منقول ہے:

[1] بحری شکار مثلاً مچھلیاں پکڑنا بنصِ قرآنی کے مطابق حلال ہے۔

صید البرّ حلال لکم مالم تصیدوہ او لصیاد لکم فی لفظ او لصید لکم۔	خشکی کا شکار تمہارے لئے حلال ہے بشرطیکہ تم نے خود اس کو شکار نہ کیا ہو یا کسی دوسرے نے تمہارے لئے شکار نہ کیا ہو۔

چنانچہ شکار کا گوشت کھانے کی حل و حرمت کے بارے میں جتنی بھی مختلف حدیثیں آئی ہیں، اُن سب کو اسی تفسیر و توضیح پر (جو اوپر مذکور ہے) محمول کرنا چاہیے۔

نکاح و وکالت نکاح مُحرم کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ بحالتِ احرام نکاح کرے یا کوئی دوسرا شخص اُس کو وکیل کرے اور وہ مُحرم ہو کر اس کے لئے نکاح کرے (حدیث کے بعینہٖ یہی الفاظ ہیں) اسی طرح بحالتِ احرام منگنی کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

خوشبو لگانا احرام باندھ لینے کے بعد خوشبو لگانا منع ہے۔ صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بروایت حضرت عثمان رض مروی ہے کہ:

من احرم مصفرا لحیتہ وراسہ ان یغسل ذالک۔	جس نے اس حالت میں احرام باندھا کہ اُس کی داڑھی اور سر کے بال زعفران وغیرہ ملنے سے زرد نظر آرہے ہوں، وہ انہیں دھو ڈالے۔

غالباً یہ آپ نے اس لئے فرمایا اور کسی ایسے شخص کے حق میں فرمایا۔ جس کی بابت آپ کو علم تھا کہ اس نے یہ خوشبو احرام کے لیئے

لگائی ہے یا ممکن ہے آپؐ نے زرد رنگ ہی کے لگے رہنے کو ناپسند فرمایا ہو۔ ورنہ ویسے تو ثابت ہے اور تم پڑھ چکے ہو کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھنے سے پہلے جو خوشبو لگائی تھی، احرام کے بعد اس کے آثار نمایاں تھے۔

جو شخص احرام کی حالت میں مر جائے، اس کی موت کے بعد آپؐ نے اس کے جسم پر خوشبو لگانے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح آپؐ کے بعد صحابہ کرامؓ بھی اس سے منع کرتے رہے۔

شب باشی ذی طویٰ اور داخلۂ مکہ

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذی طویٰ کے مقام پر پہنچے جس کو آج کل زاہر کہتے ہیں، تو آپؐ وہاں اتر پڑے اور وہیں رات بسر کی۔ صبح کی نماز بھی وہیں پڑھی اور اسی دن غسل فرماکر مکہ شریف کو چل پڑے۔ مکہ شریف میں آپؐ دن کے وقت اس کے اوپر کی طرف سے ثنیۂ علیا کی گھاٹی کی جانب سے داخل ہوئے۔ اس گھاٹی سے اترتے وقت جو جگہ سامنے ہے، اس کا نام حجون ہے۔ اس کے بعد آپؐ باب بنی شیبہ سے مسجد حرام کے اندر داخل ہوئے۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔

طبرانی میں آیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کعبہ شریف پر پڑتی تو آپؐ یہ دعاء ارشاد فرمایا کرتے تھے:

اللّٰهم زد هٰذا البيت تشريفاً وتعظيماً وتكريماً ومهابة	خدایا! اس گھر کا شرف، عظمت، بزرگی اور عزت اور زیادہ کر دے۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ جب آپؐ کعبہ شریف کو دیکھتے تو ہاتھ اُٹھا کر تکبیر کہتے اور یہ الفاظ زبان پر لاتے :۔

اللھم انت السلام و منک السلام حینا ربنا بالسلام، اللھم زد ھذا البیت تشریفاً و تعظیماً و تکریماً و مھابۃً و زد من حجہ و اعتمرہ تکریماً و تشریفاً و تعظیماً و برًّا۔	خدایا! تو ہی سلامتی والا ہے اور تجھی سے سلامتی ہے۔ پروردگارا! ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ۔ خدایا! اس گھر کا شرف، عظمت، عزت اور بزرگی زیادہ کردے" اور جو کوئی اس گھر میں آکر حج یا عمرہ کرے، اس کی بھی بزرگی، شرف اور عظمت کو زیادہ کردے۔

فصل ۲

دوسرا نسک

طوافِ کعبہ حج کا دوسرا مرحلہ جس کو شرع کی زبان میں دوسرا نُسک کہیں گے، مسجدِ حرام میں داخل ہونے سے شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ حرام میں داخل ہوئے تو آپؐ نے سب سے پہلے بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں نہیں پڑھیں۔ کیونکہ مسجدِ حرام کا تحیۃ المسجد بیت اللہ شریف کا طواف ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرِ اسود کے سامنے ہوئے

تو آپؐ نے اُس کو چھوڑا۔ اس چُھونے کی کیفیت تین طرح پہ منقول ہے:
(۱) اس کو بوسہ دیا۔ (۲) اس کو ہاتھ لگایا اور پھر اپنے ہاتھ کو بوسہ دیا۔
(۳) اپنی کھونٹی سے اس کی طرف اشارہ کیا اور پھر اس کو بوسہ دیا۔
آپؐ سے کہیں یہ منقول نہیں کہ آپؐ نے یہ کہا ہو کہ میں نے طواف کی نیّت کی یا یہ کہ میں نے اس کو تکبیر سے شروع کیا۔ ایسا کہنا انہی کا وطیرہ ہے جو جاہل ہیں اور کچھ نہیں جانتے۔ یہ ایک قابلِ انکار بدعت ہے۔ پھر آپؐ نے کعبہ شریف کو اپنے بائیں طرف رکھ کر اُس کا طواف شروع کیا۔ طواف کے سات چکر ہوتے ہیں۔ جن میں سے پہلے تین چکروں میں آپؐ تیز تیز اور کندھوں کو مٹکاتے ہوئے چلے۔ اس کو رَمَل کہتے ہیں۔ کعبہ شریف کے کونوں میں سے آپؐ فقط دو کونوں کو چھوا کرتے تھے۔ ایک رکن یمانی اور دوسرا حجرِ اسود کو۔ کسی دوسرے کونے کو چھونا یا بوسہ دینا قابلِ انکار بدعت ہے۔

دعائے طواف

ان دونوں کونوں کو چھوتے وقت آپؐ فرمایا کرتے تھے: بسم اللہ واللہ اکبر" طواف کی حالت میں کوئی خاص دُعا پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں۔ البتہ ابوداؤد اور صحیح ابن حبان میں یہ روایت آئی ہے کہ آپؐ رکن یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان کہا کرتے تھے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً	بارِ خدایا! ہمیں دُنیا اور آخرت میں نیکیاں مرحمت فرما اور دوزخ کی آگ سے

وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔	ہمیں بچا لے۔

طواف کے دوران میں آپؐ یہ دعا کیا کرتے تھے:

اللّٰھم قنعنی بما رزقتنی وبارک لی فیہ واخلف علیٰ کل غائبۃ لی بخیر	خدایا! جو کچھ رزق تو نے مجھے دیا ہے مجھے اس پر قناعت کرنے کی توفیق مرحمت فرما اور اس میں میرے لئے برکت رکھ دے اور جو چیز مجھ سے غائب ہے تو میرے لئے اس کا جانشین بن جا

اس مؤخرالذکر دُعا کو حاکم نے روایت کیا ہے۔

حالتِ احرام دُعا کرنے کا وقت ہے۔ اس لئے اپنی پسند کے مطابق جو دُعا کرنا چاہے کرے۔ آپؐ کا یہ طواف عمرہ کا طواف تھا۔

طوافِ عمرہ سے فراغت

جب آپؐ طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم کے پاس آکر یہ آیت پڑھی:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى۔ ۲/۱۲۵	مقامِ ابراہیم کو نماز ادا کرنے کی جگہ ٹھہرالو۔

پھر وہاں دو رکعت نماز ادا کی۔ اس حالت میں مقامِ ابراہیم آپؐ کے اور کعبہ شریف کے درمیان تھا۔ اس دوگانہ میں آپؐ نے پہلی رکعت میں سورۂ الکافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھی بزار محدث نے جابر بن عبداللہؓ سے ایسی ہی روایت کی ہے۔ اسی روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپؐ نے باوجود دن کا وقت ہونے کے قرأۃ جہر سے یعنی بلند آواز سے نماز پڑھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ

خواہ دن ہو یا رات، اس دوگانے میں جہر سے قرأۃ پڑھنا سُنّت ہے۔ دوگانہ سے فارغ ہوکر آپؐ پھر حجرِ اسود کے پاس آئے اور اُس کو ہاتھ لگایا پھر سامنے کے دروازہ سے جو باب الصّفا کہلاتا ہے، صفا کی طرف نکل گئے۔

فصل ۳

تیسرا نُسک

صفا و مروہ کے مابین سعی

حج کا تیسرا نُسک، سعی کرنا ہے۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صفا کے ٹیلے کے پاس پہنچے تو آپؐ نے یہ آیت پڑھی:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ -(۲: ۱۵۸)	بے شک صفا اور مروہ (دونوں پہاڑیاں) شعائر اللہ میں سے ہیں۔

پھر فرمایا کہ ہم بھی سعی اسی سے شروع کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مقدم رکھا ہے۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے: اسی سے شروع کرو الخ۔ آپؐ یہ کہہ کر صفا کے ٹیلے پر چڑھے۔ یہاں تک کہ بیت اللہ شریف نظر آنے لگا۔ بیت اللہ شریف کے نظر آنے پر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اظہار کیا اور اس کی عظمت اور کبریائی جتائی۔ چنانچہ زبانِ مبارک پر یہ الفاظ آئے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ یگانہ

لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ ۔	ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، ملک بھی اسی کا ہے اور سب تعریفیں بھی اُسی کے لئے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یگانہ ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کی نصرت فرمائی اور تنہا اسی نے تمام جتھوں کو شکست دے دی ہے ۔

پھر دُعا کی تین بار ایسا کیا ۔ پہلے مذکورہ بالا کلمات کہتے اور پھر دُعا کرتے ۔ پھر آپؐ صفا کے ٹیلے سے اُتر کر مروہ کی طرف چلے ۔ جب آپؐ وادی میں یعنی نشیب میں اُتر گئے جو صَفا اور مَروہ کے درمیان ہے تو آپؐ دوڑنے لگے ۔ جب وادی کو عبور کر کے دوسرے کنارے پر چڑھے تو پھر معمولی رفتار سے چلنے لگے ۔ یہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور یہ اُس وقت کی بات ہے جبکہ یہ موجودہ سبز بُرجیاں (جو وادی کے دونوں کناروں کو ظاہر کرنے کے لئے بطور علامت کھڑی کر دی گئی ہیں) ابھی نہیں بنائی گئی تھیں جونہی آپؐ مروہ تک پہنچے، مروہ کے ٹیلے پر چڑھ گئے، کعبہ شریف کی طرف منہ کیا، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی عظمت کا اظہار فرمایا اور جو کچھ صَفا پر کیا، وہی یہاں کیا ۔ اس طرح آپؐ نے صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے اور ساتواں چکر مروہ پر ختم کیا ۔

اقامت گزینیٔ مکہ اور روانگی

پھر آپؐ مکہ شریف میں جہاں اترے تھے، وہیں پر اقامت گزیں ہوئے۔ نماز کو لوگوں کے ساتھ آپؐ قصر کر کے پڑھا کرتے اور اپنی ہی اقامتگاہ پر ادا فرماتے۔ نماز پڑھنے کے لئے آپؐ مسجد حرام میں تشریف نہیں لایا کرتے تھے۔ جب ترویہ (آٹھویں ذی الحجہ) کا دن ہوا تو آپؐ جملہ مسلمانوں کے ساتھ جو حج کرنے کے لئے آپؐ کے ہمرکاب تھے منیٰ کی طرف جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں پہنچ کر پڑاؤ کیا

قیام منیٰ اور کوچ

ظہر اور عصر کی نماز وہیں پڑھی اور وہیں شب باش ہوئے۔ ابوداؤد اور ترمذی میں ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشا اور صبح کی نماز پڑھائی۔ جب نویں ذی الحجہ کو جو عرفہ کا دن کہلاتا ہے، سورج طلوع ہوا، یہ جمعہ کا دن تھا، تو آپؐ عرفات جانے کے لئے چل کھڑے ہوئے اور وہ راستہ اختیار کیا جو طریق الضب کہلاتا ہے اور اس راستہ کے دائیں طرف واقع ہے جس پر آج کل عام لوگ عرفات کو جاتے ہیں۔ جو صحابہؓ آپؐ کے ساتھ تھے کوئی ان میں تلبیہ کہتا اور کسی کی زبان پر تکبیر تھی۔ آپؐ دونوں سنتے تھے، لیکن کسی پر بھی آپؐ نے اعتراض نہیں فرمایا۔ عرفات پہنچ کر آپؐ نمرہ کے مقام پر اترے اور وہیں آپؐ کے لئے خیمہ نصب کیا گیا۔ یہ جگہ عرفات سے مشرق کی طرف ہے اور آجکل ویران اور غیر آباد پڑی ہے۔ پہلے زمانہ میں امیر لوگ یہیں اترا کرتے تھے۔

فصل
چوتھا نسک

قیامِ عرفات و خطبہ

چوتھا نسک عرفات میں کھڑا رہنا ہے جس کو وقوف کہتے ہیں۔ آپؐ سورج ڈھلنے تک نمرہ ہی میں رہے جس کے بعد آپؐ نے اپنی اونٹنی قصواء پر پالان کسنے کا حکم دیا۔ آپؐ اس پر سوار ہو کر چلے، یہاں تک کہ وادی کے بطن میں پہنچ گئے۔ یہاں پر آپؐ نے لوگوں کو خطبہ سنایا جبکہ آپؐ اونٹنی ہی کی پیٹھ پر سوار تھے۔ یہ ایک نہایت مؤثر خطبہ تھا جس میں کہ آپؐ نے لوگوں کو اسلام کے بنیادی اصول بتائے اور شرک اور جاہلیت کی بنیادیں اکھیڑ کر رکھ دیں۔ اس خطبہ میں آپؐ نے وہ چیزیں کھول کر بتائیں جن کے حرام اور ناجائز ہونے پر سب ادیان و ملل کا اتفاق ہے۔ مثلاً یہ کہ دوسروں کی جان و مال اور حرمت و آبرو پر دست درازی کرنا ہر ایک مومن کے لئے سخت حرام ہے۔ اور بھی کئی ایک احکام شرعیہ لوگوں کو بتائے۔ آپؐ نے اس موقع پر صرف ایک خطبہ سنایا (جمعہ اور عیدین کی طرح) دو خطبے نہیں سنائے۔ خطبہ سے فارغ ہو کر آپؐ نے

ظہرین اور قصر نماز

بلالؓ کو اذان کہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس نے اذان دی۔ پھر اقامت کہی اور آپؐ نے ظہر کی

نماز دو رکعت پڑھائی اور قرأۃ جہر سے نہیں پڑھی۔ یاد رکھو یہ جمعہ کا دن تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مسافر امام عرفات میں جمعہ کی نماز نہ پڑھے۔ نماز ظہر سے فارغ ہوتے ہی عصر کے لئے اقامت کہی گئی اور نماز عصر بھی آپؐ نے دو رکعت پڑھائی۔ اور اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ اہلِ مکّہ نے بھی آپؐ کے ساتھ ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں قصر کر کے اکٹھی ادا کیں۔

وقوف اور دُعا

جب آپؐ نمازوں کے پڑھنے سے فارغ ہوئے تو میدانِ عرفات میں چل کر اس پہاڑی کے دامن میں وقوف فرمایا جو صخرات کے پاس ہے۔ آپؐ کا یہ وقوف اونٹ کی پیٹھ پر تھا۔ چنانچہ آپؐ قبلہ رُخ کھڑے ہوئے اور آفتاب غروب ہونے تک دُعا کرنے اور تضرع وزاری میں مشغول رہے۔ دُعا کرتے کی حالت میں آپؐ نے اپنے ہاتھ سینہ کے برابر تک اُٹھا رکھے تھے، جس طرح کوئی مسکین دوسرے سے عاجزی کے ساتھ کھانا طلب کرتا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ بہترین دُعا وہ ہے جو عرفہ کے دن مانگی جائے۔ عرفات میں کھڑے رہنے کی حالت میں آپؐ نے جو دعائیں مانگیں، اُن میں سے ایک یہ دعا محفوظ ہے:

دُعائے عرفات

اللّٰھم لک الحمد کالذی تقول وخیرا مما نقول اللّٰھم لک صلاتی و	خدایا! سب تعریفیں جیسی کہ تو کہتا ہے اور بہترین حمد جو ہم بیان کرتے ہیں، سب تیرے ہی لئے ہیں۔ خدایا! میری نماز میری

ونسكي ومحياي ومماتي
واليك مآبي ولك ربي
تراثي، اللهم اني اعوذبك
من عذاب القبر ووسوسة
الصدر وشتات الامر-
اللهم اني اعوذ بك من
شرما تجيئ به الرياح -
اللهم انك تسمع كلامي
وترى مكاني وتعلم سري
وعلانيتي لا يخفى عليك
شيء من امري وانا البائس
الفقير الخائف المستجير
الوجل المشفق المقر
المعترف بذنبه-اسألك
مسئلة المسكين وابتهل
اليك ابتهال المذنب
الذليل وادعوك دعاء
الخائف الضرير من خضعت
لك رقبته وفاضت لك

قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا تیرے ہی لئے
ہے۔ تیری ہی طرف میرا لوٹنا ہے، اے میرے
پروردگار! میری میراث تیری ہی ملکیت ہے
خدایا! میں قبر کے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں اور
سینہ کے وسوسوں اور کام کی پریشانی سے بھی
تیری پناہ مانگتا ہوں۔ خدایا! میں اس برائی
سے تیری پناہ کا طالب ہوں جسے ہوائیں لاتی ہیں
خدایا تو میری کلام کو سنتا اور میری جگہ کو
دیکھتا ہے، تو میرے ظاہر اور باطن کو جانتا ہے
میرا کوئی حال بھی تجھ سے مخفی نہیں ہے۔
میں ایک مصیبت زدہ تنگ دست اور
خوفزدہ پناہ گزیں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار
کرنے والا ہوں، میں ایک مسکین سائل کی طرح
تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری جناب
میں گڑگڑاتا ہوں ایک گنہگار اور ذلیل کے
گڑگڑانے کی مانند! اور تجھ کو پکارتا ہوں
اس تکلیف زدہ ڈرنے والے کے پکارنے
کی طرح جس کی گردن تیرے سامنے خمیدہ
ہو اور جس کی آنکھیں اشکبار ہوں، جس کا

عیناہ و ذل لك جسدہٗ ورغم لك انفہ ۔ اللّٰھم لا تجعلنی بدعائك شقیا وکن بی رؤفا رحیماً یاخیر المسئولین ویا خیر المعطین یا ارحم الرّاحمین وَالحمد للہ رب العالمین ۔	بدن تیرے آگے ذلیل وخوار ہو اور اُس کی ناک تیرے آگے خاک آلود ہو۔ خُدایا! تجھ سے مانگتے ہیں مجھے بدنصیب ومحروم نہ رکھنا، بلکہ مجھ سے نرمی اور مہربانی سے پیش آنا، اے بہترین حاجت روا! اے بہترین عطا وبخشش کرنے والے! اے تمام رحیموں سے زیادہ رحم کرنیوالے! اور سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

بیہقی نے حضرت علی رضہ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ دُعا جو میں نے اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیا نے کثرت سے عرفہ کے دن کی ہے، وہ یہ ہے:

لا الٰہ الاّ اللہ وحدہٗ لاشریك لہٗ لہ الملك و لہ الحمد وھو علیٰ کل شیئٍ قدیر۔ اللّٰھم اجعل فی قلبی نورًا وفی سمعی نورًا و فی بصری نورًا ۔ اللّٰھم اشرح لی صدری ویسّرلی امری اعوذ بك من شر وسواس	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یگانہ ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں۔ ملک بھی اسی کا ہے اور سب تعریفیں بھی اسی کے لئے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ خُدایا! میرے قلب، میرے کان اور میری آنکھوں کو منوّر کر دے۔ خُدایا! میرا سینہ کھول دے اور میرے سب کام آسان کر دے۔ میں سینہ کے وسوسوں، کاموں کی پریشانیوں اور قبر کے فتنہ سے

الصدر وشتات الامر وفتنة القبر۔ اللّٰھم انی اعوذ بك من شر ما یلج فی اللیل ومن شر ما یلج فی النھار ومن شر ما تھب به الریاح ومن شر بوائق الدھر۔	تیری پناہ پکڑتا ہوں۔ خدایا! میں اس چیز کی برائی سے جو رات میں داخل ہوتی ہے اس چیز کی برائی سے جو دن میں داخل ہوتی ہے، اس چیز کی برائی سے جو ہوا کے ساتھ چلتی ہے اور زمانہ کی آفتوں کی برائی سے تیری ذاتِ پاک سے ہی پناہ حاصل کرتا ہوں۔

عرفات سے واپسی

عرفات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واپس لوٹنے کی کیفیت یہ ہے کہ جب آفتاب غروب ہوا اور اس کی زردی کے آثار بھی مٹ گئے، بالفاظِ دیگر اچھی طرح غروب ہو گیا تو آپؐ نے سکون اور اطمینان کے ساتھ واپس ہونا شروع کیا۔ آپؐ نے اپنی اونٹنی کو تیز چلنے سے روکنے کے لئے اس کی مہار کو اپنی طرف اس قدر کھینچا کہ اونٹنی کا سر آپؐ کے پائے مبارک کے ساتھ مس ہونے لگا۔ اس حالت میں آپؐ نے لوگوں اس طرح خطاب فرمایا:

یا ایھا الناس علیکم بالسکینۃ فان البر لیس بالایضاع۔	لوگو! سکون اور اطمینان کے ساتھ چلنے کو لازم سمجھو، کیونکہ اونٹوں کا دوڑانا کوئی نیکی نہیں ہے۔

آپؐ نے واپسی پر مازمین کا راستہ اختیار کیا۔ چلنے میں آپؐ اعتدال کو ملحوظ رکھتے تھے۔ تیز بھی نہیں چلتے تھے اور بہت آہستہ بھی نہیں

البتہ کوئی کھلی جگہ مل جاتی تو تھوڑی دور تک اپنی سواری کو دوڑا کر لے جاتے۔ راستہ میں آپ کو پیشاب کی حاجت محسوس ہوئی تو آپ نے اُتر کر پیشاب کیا اور ہلکا سا وضو کر لیا۔ اُسامہؓ نے عرض کیا:

الصلوٰۃ یا رسول اللہ!	یا رسول اللہ نماز کا وقت بھی تو ہے

آپ نے فرمایا:

الصلوٰۃ امامك	نماز آگے چل کر پڑھیں گے۔

اس وقت اُسامہؓ آپؐ کا ردیف تھا یعنی آپ ہی کی اونٹنی پر آپؐ کے پیچھے سوار تھا۔

فصل ۵

پانچواں نُسک

مُزدلفہ میں شب باشی

پانچواں نُسک مُزدلفہ میں رات گزارنا ہے، چنانچہ آپؐ اسی طرح چلتے رہے، یہاں تک کہ مزدلفہ میں پہنچ گئے۔ اُترنے کے بعد آپؐ نے نماز کے لئے وضو کیا اور اذان دلائی۔ اس کے بعد اقامت کی گئی اور بیشتر اس کے کہ اونٹوں سے پالان وغیرہ اُتارے جائیں، آپؐ نے مغرب کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھ لینے کے بعد سب لوگوں نے اونٹوں سے پالان اُتارے۔ اس کے بعد پھر اقامت کہی گئی اور آپؐ نے عشاء کی نماز پڑھائی۔ اس کے لئے دوسری اذان نہیں دی گئی۔

آپؐ نے ان دونوں نمازوں کے درمیان کچھ بھی نوافل نہیں پڑھے۔ رات آپؐ نے یہیں گزاری اور پَو پھٹتے ہی آپؐ نے صبح کی نماز اذان اور اقامت کے ساتھ پڑھی۔

فصل ۶

چھٹا نسک

مشعر الحرام سے گذر

چھٹا نسک مشعر الحرام[1] کے پاس سے گزرنا ہے۔ جب آپؐ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے، تو اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر الحرام میں آئے، بیت اللہ شریف کی طرف رخ کیا اور تکبیر و تہلیل اور دوسری صورتوں پر خدائے پاک کو یاد کرنے اور تضرع و زاری کے ساتھ دعا کرنے میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ بہت زیادہ روشنی پھیل گئی اور قریب تھا کہ سورج طلوع ہو۔ جس کے بعد آپؐ چل پڑے۔ اس وقت آپؐ نے فضل بن عباسؓ کو اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ اس حالت میں آپؐ کی زبانِ مبارک پر تلبیہ جاری تھا۔ آپؐ نے ابن عباسؓ کو حکم دیا کہ انگلیوں کے درمیان پکڑ کر مارنے کے موافق سات کنکریاں یہاں سے چن لے۔ اور لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ:

ایسی ہی کنکریاں جمروں پر پھینکا کرو اور دین	بامثال ھؤلاء فارموا

[1] مشعر الحرام وہ مسجد ہے جو مزدلفہ میں تھوڑی بلندی پر واقع ہے۔ جس کی چاردیواری کی بنی ہوئی ہے اور وسط میں ایک بلند مینار ہے۔

وایاکم بالغلوّ فی الدین | میں غلوّ[1] کرنے سے بچو۔

یہ کنکریاں آپؐ نے رات سے نہیں چُنی تھیں جیسا کہ آج کل لوگوں کا معمول ہے۔ نہ ہی آپؐ نے یہ کنکریاں پہاڑی سے توڑی تھیں جب آپؐ وادیٔ محسّر کے پیٹ میں اُترنے لگے تو آپؐ نے اپنی سواری کو تیز کر دیا۔

وادیٔ محسّر و عرنہ وادیٔ محسّر مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان ایک نزع کی طرح ہے اور اس کا شمار ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی نہیں۔ اسی طرح عرفات اور مشعر الحرام کے درمیان عرنہ ایک مقام ہے جس کا شمار بھی ان دونوں میں نہیں۔ بالفاظِ دیگر ہم ان مقامات کی اسی طرح تشریح کر سکتے ہیں۔ منیٰ حرمِ مکہ کے اندر داخل ہے اور مشعر بھی ہے۔ وادیٔ محسّر حرم کے حدود کے اندر ہے لیکن مشعر نہیں۔ مزدلفہ حرمِ مکہ میں داخل ہے اور مشعر بھی ہے۔ عرنہ نہ تو مشعر ہے اور نہ ہی حرمِ مکہ کے اندر ہے۔ میدانِ عرفات حرمِ مکہ کے اندر نہیں، لیکن مشعر ہے۔ آپؐ نے مزدلفہ سے منیٰ کو جاتے ہوئے وسطی راستہ اختیار کیا جو جمرۃ الکبریٰ[2] پر جا نکلتا ہے۔

---

[1] حدودِ شرع و سنّت سے آگے بڑھنا۔

[2] اس کو جمرۃ العقبہ بھی کہتے ہیں۔

فصل
ساتواں نسک

جمرۃ العقبہ

ساتویں نسک کی تفصیل (جس کا تعلق یوم النحر سے ہے) یہ ہے کہ جمرۃ العقبہ کے پاس پہنچ کر آپؐ وادی کے زیریں حصہ میں کھڑے ہوئے۔ خانہ کعبہ شریف کو اپنے بائیں طرف رکھا۔ منیٰ آپؐ کے دائیں جانب تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے جبکہ اپنی اونٹنی پر سوار تھے، جمرۃ العقبہ کی طرف مُنہ کیا اور اسی حالت میں اس پر کنکریاں پھینکیں۔ اس وقت آفتاب طلوع ہو چکا تھا۔ ہر ایک کنکری پھینکتے وقت آپؐ تکبیر کہتے۔ نیز اپنے تمام سفر حج میں آپؐ تلبیہ کہتے رہے۔ لیکن جونہی کہ آپؐ نے جمرۃ العقبہ پر کنکر پھینکنے شروع کیے، لبیک کہنا موقوف کر دیا۔

واپسی منیٰ اور خطبہ

اس کے بعد یعنی کنکریاں پھینک کر آپؐ منے میں تشریف لائے اور لوگوں کو ایک مؤثر خطبہ سنایا۔ جس میں آپؐ نے ان کو بقر عید کے دن کی فضیلت بنائی اور مکہ معظمہ کے حرم محترم ہونے کو ان کے ذہن نشین کیا۔ انہیں حکم دیا کہ جو کوئی بھی کتاب اللہ کے مطابق ان پر حکومت کرے اس کی بات سنیں اور اس کے حکم کی تعمیل کریں۔ لوگوں کو حکم دیا کہ آپؐ سے مناسک حج اخذ

کریں، اور ان کو سخت تاکیدی وصیت کی کہ:

لا یرجعوا بعدہ کفاراً یضرب بعضھم رکاب بعض	میرے بعد کافر بن کر ایک دوسرے پر تیغ آزمائی نہ کرنا

آپ نے اپنے خطبہ میں یہ بھی کہا:

لا یجنی جانٍ الا علےٰ نفسہٖ۔	جو شخص کسی جرم کا ارتکاب کرے، خود اُسی پر مواخذہ ہوگا [1]

اللہ تعالیٰ نے حاضرین کے کانوں کو (خارقِ عادت کے طور پر) کھول دیا۔ یہاں تک کہ ہر ایک شخص نے اپنے اپنے ڈیرہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو اچھی طرح سُن لیا۔ آپؐ نے اپنے خطبہ میں یہ بھی فرمایا:

اعبدوا ربّکم وصلّوا خمسکم وصوموا شھرکم واطیعوا ذا امرکم تدخلوا جنۃ ربّکم۔	اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرو، پنج وقتہ نماز پڑھو، ماہِ رمضان کے روزے رکھو، اور جس کو تمہارا حاکم بنا دیا گیا ہو اُس کی اطاعت کرو تو اپنے رب کے جنّت میں داخل ہو جاؤ گے۔

آپؐ نے اسی حج کی تقریب پر لوگوں کو الوداع کہا اور اس لئے اس کا نام حجۃ الوداع پڑ گیا۔ اسی خطبہ (کے اثناء یا اس کے آخر) میں آپؐ نے حاضرین کو یہ بھی تاکیدی وصیت کی کہ یہ خطبہ دوسروں تک پہنچائیں، کیونکہ: رُبّ مبلّغٍ اوعیٰ من سامعٍ (بعض اوقات ایسا بھی

[1] اس کے بغیر کسی دوسرے کو اس کے جرم کے باعث نہیں پکڑا جائیگا۔

ہوتا ہے کہ جس کو کوئی بات پہنچائی جائے، وہ سننے والے کی نسبت (جس نے براہِ راست سُنا ہے) اُسے زیادہ اچھی طرح سمجھ لیتا اور اپنے خزانۂ دل میں اس کو محفوظ رکھتا ہے)۔ اسی موقع پر کئی ایک اس قسم کے سوالات آپؐ سے پوچھے گئے۔ مثلاً ایک شخص نے کہا کہ میں نے کنکریاں پھینکنے سے پہلے سر مُنڈا لیا۔ دوسرے نے کہا میں نے قربانی بعد میں کی۔ علیٰ ہذا القیاس مناسکِ حج کی تقدیم و تاخیر کی بابت دریافت کیا گیا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے سب سے یہی فرمایا "کچھ حرج نہیں" (بے خبری کی حالت میں جو کچھ کیا، سب معاف ہے)۔

تشریف آوری قربان گاہ

اس کے بعد آپؐ قربانیوں کی جگہ پر تشریف لے گئے اور تریسٹھ اونٹوں کو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا۔ اونٹ کی قربانی کرتے وقت آپؐ اس کا پاؤں باندھ لیتے اور وہ کھڑا رہتا[1]۔ آپؐ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا:

ان منی کلھا منحر وان فجاج مکۃ طریق ومنحر	منیٰ میں ہر جگہ قربانی ہو سکتی ہے۔ اور مکہ شریف کے چوڑے راستے سب راستے ہی ہیں اور ان میں بھی قربانی کی جا سکتی ہے۔

اسی طرح آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے:

ان عرفات کلھا موقف	عرفات کے میدان میں ہر جگہ کھڑے ہو سکتے ہیں۔

[1] اسی حالت میں آپؐ اس کو خنجر مارتے اور وہ گر پڑتا۔ قرآن مجید کی سورۂ حج میں بھی اس کی تصریح ہے۔

ابوداؤد میں جابر بن عبداللہؓ اور حضرت علیؓ کی روایت سے ثابت ہے کہ عرفات کے میدان میں کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا:

وقفت ھاھنا وعرفۃ کلھا موقف۔	میں نے یہاں وقوف کیا لیکن عرفات کے میدان میں ہر جگہ وقوف کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح جب آپؐ نے مزدلفہ میں صبح کی نماز کے بعد وقوف کیا تو ارشاد فرمایا:

وقفت ھاھنا وجمع کلھا موقف ونحرت ھاھنا ومنی کلھا منحر فانحروا فی رحالکم۔	میں تو یہاں کھڑا ہوں لیکن مزدلفہ میں ہر ایک جگہ کھڑا ہونے کی ہے اور قربانی میں نے تو یہاں دی ہے لیکن منیٰ میں ہر جگہ قربانی دی جا سکتی ہے پس اپنے اپنے ڈیرے پر قربانی کر لو۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

کل عرفۃ موقف وکل منیٰ منحر وکل مزدلفۃ موقف وکل فجاج مکۃ طریق ومنحر۔	سارا میدانِ عرفات کھڑا ہونے کی جگہ ہے اور سارا منیٰ قربانگاہ ہے اور سارا مزدلفہ کھڑا ہونے کی جگہ ہے اور مکہ شریف کے تمام چوڑے راستے قربانگاہ اور راہگذر ہیں[1]۔

[1] اس سے شاید یہ مراد ہے کہ کسی خاص راستے پر چلنا یا آنا جانا کوئی ضروری نہیں ہے۔

فصل

آٹھواں نُسک

حلق و تقصیر

آٹھواں نُسک سر کا مُنڈانا یا سر کے بالوں کا کٹوانا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی کر چکے تو آپؐ نے نائی کو بلا کر اپنا سر منڈایا۔ آپؐ نے پہلے دائیں طرف اشارہ کر کے خطاب فرمایا کہ اس کو مونڈو۔ جب اس جانب سے مُونڈا جا چکا تو آپؐ نے وہ بال لے کر (تبرکاً) اُن لوگوں میں تقسیم کئے جو آپؐ کے قریب تھے۔ پھر اپنی بائیں جانب اشارہ کر کے نائی کو حکم دیا کہ اب اس طرف سے مونڈو۔ جب وہ مونڈ چکا تو آپ نے وہ بال بھی (بطور تبرک) حضرت ابوطلحہؓ کو عنایت فرمائے۔ جن لوگوں نے سر کو مُنڈایا، اُن کے لئے آپؐ نے تین بار دُعا فرمائی لیکن سر کے بال کٹوانے والوں کے لئے فقط ایک مرتبہ دُعا کی۔

فصل ۹
نواں نسک

طواف افاضہ

نواں نسک طواف الزیارۃ ہے۔ اس کو طواف افاضہ بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ سر منڈا لینے کے بعد اور ظہر کے وقت سے پہلے آپؐ مکہ شریف تشریف لے گئے۔ (تلبیہ کہا ؟) اور طوافِ افاضہ کیا۔ اس طواف کے بعد آپؐ نے نہ کوئی طواف کیا اور نہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ طواف سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ چاہ زمزم کے پاس آئے جہاں لوگوں کو زمزم کا پانی پلایا جا رہا تھا۔ آپؐ نے پلانے والوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

لولا ان یغلبکم الناس لنزلت فسقیت معکم۔	اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ زبردستی کر کے تم سے یہ خدمت چھین لینگے تو میں خود تمہارے ساتھ اس پانی پلانے کی خدمت میں شریک ہوتا۔

اس کے بعد آپؐ کو چاہِ زمزم سے ایک ڈول کھینچ کر دیا گیا جس کو آپؐ نے کھڑے کھڑے پی لیا (عام طور پر آپؐ بیٹھ کر پانی نوش فرمایا کرتے تھے) بعض اہل علم کہتے ہیں کہ آپؐ کے اس فعل نے آپؐ کے اُس قول کو منسوخ کر دیا، جس میں کہ آپؐ نے کھڑے رہ کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے

کہ نہی تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے۔ بعض دوسرے اہل علم کہتے ہیں کہ آپؐ نے حسب ضرورت ایسا کیا (بیٹھنے کے لئے کوئی مناسب جگہ نہ تھی)۲

داخلہ بیت اللہ شریف

علامہ ابن القیمؒ نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو حج کرتے وقت بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہوئے اور نہ ہی کسی عمرہ کے بجا لاتے وقت آپؐ کعبہ شریف کے اندر داخل ہوئے۔ آپؐ نے عمر بھر میں تین عمرے کئے ہیں۔ عمرہ حدیبیہ کی بابت تو ہر ایک شخص جو آپؐ کی سیرت کا واقف ہو، جانتا ہے کہ آپؐ مکہ شریف میں داخل بھی نہیں ہوئے تھے۔ اسی طرح جن راویوں نے آپؐ کے عمرۃ القضا اور عمرۂ جعرانہ کی کیفیت بیان کی ہے، کسی نے بھی یہ ذکر نہیں کیا کہ آپؐ کعبہ شریف کے اندر داخل ہوئے۔ آپؐ کا کعبہ کے اندر داخل ہونا صرف فتح مکہ کے بعد ثابت ہے۔

---

۱ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کھڑے کھڑے پانی پینا آب زمزم کے لئے مخصوص ہے۔ اور دوسرے تمام مشروبات کو بیٹھ کر ہی پینا چاہئے۔

۲ لیکن اس حالت میں تو آپؐ مُحرم تک بھی نہ تھے۔

فصل ۱۰

دسواں نُسک

قیامِ منیٰ وشب باشی دسواں نسک منیٰ میں قیام کرنا ہے۔ جس کے اثناء میں جمروں پر کنکریاں پھینکی جاتی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طواف الاضافہ (طواف الزیارۃ) سے فارغ ہونے پر منیٰ میں واپس تشریف لائے اور صحیح روایت کے مطابق ظہر کی نماز یہیں واپس آکر ادا کی اور رات بھی یہیں گزاری۔ صبح ہونے پر آپؐ نے سورج ڈھلنے کا انتظار کیا۔

رمیِ جمار ابن عباس رضؓ کا یہ قول کتب حدیث میں ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (کنکریاں پھینکنے کے لئے جس کو رمی الجمار کہتے ہیں) سورج ڈھلنے کا انتظار فرمایا کرتے تھے!! جب سورج ڈھل گیا تو آپؐ اپنے ڈیرہ سے کنکریاں پھینکنے کے لئے چلے۔ اونٹنی پر سوار نہیں ہوئے۔ سب سے پہلے آپؐ نے جمرۂ اولیٰ پر کنکریاں پھینکیں جو مسجدِ خیف کے قریب ہے۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے سات کنکریاں اس پر پھینکیں۔ ہر ایک کنکری پھینکتے وقت آپؐ تکبیر کہتے۔ اس کے بعد آپؐ دوسرے جمرہ کی جانب بڑھے، یہاں تک کہ غیر پتھریلی زمین پر کھڑے ہو گئے۔ اس حالت میں آپؐ کا منہ قبلہ کی جانب تھا۔

آپؐ نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور بہت دیر تک یعنی جتنی دیر میں کہ سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے، دُعا کرتے رہے۔ پھر آپؐ جمرۃ الوسطیٰ کے پاس آئے اور اس کو بھی اسی طرح کنکر مارے۔ پھر آپؐ بائیں طرف مائل ہوئے جو وادی کے متصل ہے۔ یہاں بھی آپؐ قبلہ رُخ کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر اتنی دیر تک دُعا کرتے رہے جو پہلی بار کھڑے ہونے کے لگ بھگ تھی۔ اس کے بعد آپؐ جمرۃ العقبہ کے پاس تشریف لائے اور وادی کے بطن میں قیام فرمایا۔ کعبہ شریف آپؐ کی بائیں جانب تھا اور منیٰ دائیں جانب۔ اس جمرہ پر بھی آپؐ نے اسی طرح سات کنکر پھینکے آج کل جاہل لوگ یا تو اوپر کی طرف سے اس پر کنکر پھینکتے ہیں اور یا جمرہ کو دائیں جانب رکھ کر قبلہ رُخ کھڑے ہو کر ایسا کرتے ہیں۔ یہ خلافِ سنت ہے۔

بلا توقف واپسی

جب آپؐ کنکر پھینک چکے تو فوراً اپنی جگہ پر واپس آئے اور وہاں پر ٹھہرے نہیں (جس طرح کہ پہلے اور دوسرے جمرہ پر کنکر پھینکنے کے بعد وہاں ٹھہر جاتے اور بہت دیر تک وہاں کھڑے رہ کر دُعا مانگتے) اس کا فلسفہ یہ ہے کہ تیسرے جمرہ پر کنکر پھینک کر آپؐ اس نُسک سے جس کو رمی جمار کہتے ہیں، فارغ ہو چکتے، جس طرح سلام پھیر کر آدمی نماز سے فارغ ہو جاتا ہے۔ اس سے پہلے چونکہ آپؐ نسک کی بجا آوری میں مشغول ہوتے، اس لیے دُعا کرنے میں کوشاں رہتے۔ بعینہٖ جس طرح آپؐ نماز کے اندر ہی (نماز کے خاتمہ پر)

دعائیں کیا کرتے، لیکن نماز سے فارغ ہو کر پھر کوئی دُعا کرنا آپؐ سے ثابت نہیں۔ بعض اہلِ علم کا یہ قول ہے کہ جمرۃ العقبہ کو کنکر مارنے کے بعد آپؐ تنگیٔ مکان کی وجہ سے وہاں پر نہیں ٹھہرے۔

تین خطبے اور چھ دفعہ ہاتھ اُٹھانا

ایامِ تشریق کے وسط میں آپؐ نے لوگوں کو ایک مؤثر خطبہ کے ذریعہ تقریباً وہ باتیں یاد دلائیں جو بقرعید کے دن کے خطبہ میں آپؐ نے ذکر فرمائی تھیں۔ بالفاظِ دیگر آپؐ نے حج کے دوران میں تین مرتبہ لوگوں کو اپنا خطبہ سُنایا: (الف) عرفہ کے دن۔ (ب) بقرعید کے دن۔ (ج) ایامِ تشریق کے دوسرے دن (بارھویں ذی الحجہ)۔

اسی طرح یہ بھی یاد رکھو کہ آپؐ نے حج کے اثناء میں چھ مرتبہ اپنے دونوں ہاتھ دُعا کے لئے اُٹھائے: (۱) صفا کے ٹیلے پر۔ (۲) مروہ کے ٹیلے پر۔ (۳) عرفات کے میدان میں۔ (۴) مزدلفہ کے مقام پر۔ (۵) پہلے جمرہ کے پاس۔ (۶) دوسرے جمرہ کے پاس۔

واپسیٔ مکہ بعد از ایامِ تشریق

آپؐ نے منیٰ سے مکہ شریف کو مراجعت فرمانے میں تعجیل نہیں فرمائی بلکہ تشریق کے تینوں دن آپؐ منیٰ میں تشریف فرما رہے۔ تیسرے دن (تیرھویں ذی الحجہ کو) آپؐ ظہر کے بعد مکہ شریف کی طرف مراجعت فرما ہوئے اور وادیٔ محصب میں پڑاؤ کیا، جس کو ابطح بھی کہتے ہیں۔ یہاں پر آپؐ کی تشریف آوری سے پہلے آپؐ کے لئے خیمہ نصب کیا جا چکا تھا۔ آپؐ یہیں

شب باش ہوئے ۔ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں آپ نے یہیں پڑھیں ۔

فصل ۱۱

گیارھواں نُسک

طوافِ وداع اور واپسیٔ مدینہ

مناسکِ حج میں سب سے آخری نُسک طوافِ وداع ہے۔ چنانچہ وادیٔ محصّب میں آپ تھوڑی دیر سو کر مکہ شریف کو چلنے پر آمادہ ہوئے اور مکہ شریف پہنچ کر راتوں رات سحری کے وقت کعبہ شریف کا طواف کیا۔ یہ طواف آپ کا طوافِ وداع تھا۔ اس طواف میں آپ نے رمل نہیں کیا (یعنی پہلے تین چکر تیز تیز نہیں چلے)۔ صبح کی نماز آپ نے مسجدِ حرام میں ادا فرمائی اور اس میں سورۂ والطور کی قرأت فرمائی۔ جس کے بعد آپ نے کوچ کا اعلان فرمایا اور مدینہ کو واپس ہونے کا سفر اختیار کیا۔ جب آپ ذوالحلیفہ میں پہنچے تو وہاں شب باش ہوئے اور جب مدینہ منورہ کے در و دیوار نظر آنے لگے، تو آپ نے تین مرتبہ اللہ اکبر کہا۔ اس کے بعد یہ کلمات زبان پر لائے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یگانہ ہے۔
لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ	اس کا کوئی شریک نہیں۔ ملک بھی اُسی کا ہے

وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔	اور سب تعریفیں اسی کو لائق ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم لوٹ آئے، توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے، سجدہ کرنے والے اپنے پروردگار کی تعریف کرنے والے، جس اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا، اپنے بندے کی نصرت فرمائی اور کافروں کے سرگروہ کو شکست دی درانحالیکہ وہ اکیلا ہے۔

مدینہ طیبہ میں آپؐ دن کے وقت داخل ہوئے۔

اختتام سفر اور عادت مبارک آپؐ کی عادت مبارک یہ تھی کہ جب آپؐ کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے۔ صحابہؓ سے بھی آپؐ یہی ارشاد فرماتے، جیسا کہ جابر بن عبداللہ سے اونٹ فروخت کرنے کے قصہ میں مذکور ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

انهم لما قدموا المدينة امره صلى الله عليه وسلم ان ياتى المسجد فيصلى فيه ركعتين۔	حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ میں پہنچ گئے تو آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ لو۔

دعوت طعام اور تحفہ اہل عیال ابوداؤد نے اپنے سنن میں ایک باب کا یہ عنوان باندھا ہے "سفر سے واپس

آکر کھانا کھلانا" اور اس عنوان کے ماتحت جابرؓ بن عبداللہ کی یہ روایت لکھی ہے:

لما قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ نحر جزوراً او بقرۃ	جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو آپؐ نے ایک اونٹ یا گائے ذبح فرمائی۔

یہ بھی مستحب ہے کہ جو کچھ بھی میسر ہو، اپنے گھر والوں کے لئے کوئی تحفہ لائے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

اذا قدم احدکم الی اھلہ من سفر فلیھد لاھلہ۔	جب کوئی شخص سفر سے اپنے گھر واپس آئے تو اپنے گھر والوں کے لئے کوئی تحفہ ضرور لائے۔

اسی طرح ابن عساکر نے ابی الدرداءؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اذا قدم احدکم من سفر فلیقدم معہ من ھدیۃ و لو یلقی فی مخلاتہ حجرًا۔	جب تم میں سے کوئی سفر سے واپس آئے تو اپنے گھر والوں کے لئے کوئی تحفہ ضرور لائے گو اپنی ٹوکری میں کوئی پتھر ہی کیوں نہ ڈال لے۔

یہ دونوں حدیثیں اگرچہ اسناد کے لحاظ سے ضعیف ہیں لیکن اتنا ثابت ہے کہ مطلق تحفہ دینا سنت ہے اور ظاہر ہے کہ سفر سے واپس ہونے پر جو تحفہ دیا جائے، وہ کسی کے دل میں گھر کر لینے کے لئے بہت زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

حاجی کی واپسی پر ملاقات کے آداب

جو لوگ وطن میں مقیم تھے، اُن میں سے ہر ایک اُس سے مل کر مصافحہ کرے اور اس سے درخواست کرے کہ وہ اس کے لئے مغفرت کی دعا کرے۔ مسند امام احمد میں ابن عمر کی روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث منقول ہے:

اذا لقیت الحجاج فسلم علیہ فصافحہ وامرہ ان یستغفرلک قبل ان یدخل بیتہ فانہ مغفور لہ۔	جب کسی حاجی سے تمہاری ملاقات ہو تو اس کو السلام علیکم کہہ کر اس کے ساتھ مصافحہ کرو اور اس سے کہو کہ وہ تمہاری مغفرت کے لئے دعا کرے، پیشتر اس کے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو، کیونکہ وہ ایک بخشا ہوا انسان ہے

اسناد کے لحاظ سے یہ حدیث حسن ہے۔ اس کی مثال ویسی ہے جیسی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مریض سے یہ درخواست کرنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ تمہارے لئے مغفرت طلب کرے۔ اس کا فلسفہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کے گناہ بخش دئے ہیں اور وہ مغفور ہے، وہ جو دعا بھی کریگا، مقبول ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ والحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، نسأل اللہ الاھتداء بھدی رسولہ الکریم وان یدخلنا فی اوسع فضلہ العمیم۔

نوٹ: حضرت مولانا ابو الکلام آزاد نے ۱۹۲۰ء میں سرزمین حجاز کی تقدیس اور جزیرہ عرب و بلادِ اسلامیہ کے متعلق ایک خطبۂ صدارت میں تقریر فرمائی تھی، اور چونکہ وہ بھی کتاب ہذا کا ایک ضروری و لازمی جزو رہے، اس لئے اس کا اقتباس بھی قارئین کرام کے استفادہ کی خاطر آئندہ صفحات میں درج کیا جاتا ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ۴

بلادِ مقدسۂ اسلامیہ

از حضرت مولانا ابوالکلام آزاد

فصل

مسلمانوں کا دائمی مرکز

مرکزِ ارضی کی ضرورت کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی، جب تک اُس کا کوئی ارضی مرکز نہ ہو۔ کوئی تعلیم باقی نہیں رہ سکتی، جب تک اُس کی قائم و جاری درسگاہ نہ ہو۔ کوئی دریا جاری نہیں رہ سکتا، جب تک ایک محفوظ سرچشمہ سے اُس کا لگاؤ نہ ہو۔

نظامِ شمسی کا ہر ستارہ روشنی اور حرارت صرف اپنے مرکزِ شمسی سے حاصل کرتا ہے۔ اُسی کی بالاتر جاذبیت ہے جس نے یہ پورا مُعلق کارخانہ سنبھال رکھا ہے!

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ۔ (۱۳ : ۲)

یہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو بلند کر دیا، اور تم دیکھ رہے ہو کہ کوئی ستون انہیں تھامے ہوئے نہیں ہے۔ پھر وہ تخت (حکومت) پر نمودار ہوا (یعنی مخلوقات میں اس کے احکام جاری ہو گئے) اور سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا کہ ہر ایک اپنی ٹھہرائی ہوئی میعاد تک (اپنی اپنی راہ) چلا جا رہا ہے۔

یہی قانونِ الٰہی ہے، جس پر اس کی شریعت کے تمام جماعتی احکام مبنی ہیں۔ پس جس طرح اسلام نے امت کے بقا اور حق و ہدایت کے قیام کے لئے ہر طرح کے مرکز قرار دئے، ضرور تھا کہ ایک ارضی مرکز بھی قیامت تک کے لئے قرار دے دیا جاتا۔

وجہ انتخاب سرزمینِ حجاز ان بے شمار مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا، پر جن کی تشریح کا یہ موقع نہیں، اسلام نے اس غرض سے سرزمینِ حجاز کو منتخب کیا۔ یہی ناف زمین دنیا کی آخری اور دائمی ہدایت و سعادت کے لئے مرکزی چشمہ اور روحانی درسگاہ قرار پائی۔ اور چونکہ سرزمین حجاز جزیرۂ عرب میں واقع تھی، وہی اسلام کا اولین موطن، وہی اس کا سب سے پہلا سرچشمہ تھا، اس لئے ضرور تھا کہ اسلامی مرکز کے قریبی گرد و پیش کا بھی وہی حکم ہوتا جو اصل مرکز کا۔ لہٰذا یہ تمام سرزمین بھی کہ حجاز کی وادیٔ غیر ذی زرع کو گھیرے ہوئے ہے، اسی حکم میں داخل ہو گئی:

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (۶ : ۹۶) — یہ اُس کا ٹھہرایا ہُوا اندازہ ہے جو سب پر غالب اور علم رکھنے والا ہے۔

متحدہ قومیت کی ترکیب کا مقام

مرکزِ ارضی سے مقصود یہ ہے کہ اسلام کی دعوت ایک عالمگیر اور دُنیا کی بین الملّی دعوت تھی۔ وہ کسی خاص مُلک اور قوم میں محدود نہ تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کے اجزا تمام کرۂ ارض میں بکھر جانے اور پھیل جانے والے تھے، پس ان بکھرے ہوئے اجزا کو ایک دائمی متحدہ قومیت کی ترکیب میں قائم رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ کوئی ایک مقام ایسا مخصوص کر دیا جاتا، جو اُن تمام متفرق اور منتشر اجزائ کے لئے اتحاد و انضمام کا مرکزی نقطہ ہوتا۔ سارے بکھرے ہوئے اجزاء وہاں پہنچ کر سمٹ جاتے۔ تمام پھیلی ہوئی شاخیں وہاں اکٹھی ہوکر جُڑ جاتیں۔ ہر شاخ کو اُس جڑ سے زندگی ملتی، ہر نہر اُس سرچشمہ سے سیراب ہوتی۔ ہر ستارہ اُس سُورج سے روشنی اور گرمی لیتا۔ ہر دُوری اُس سے قُرب پاتی۔ ہر فصل کو اُس سے مواصلت ملتی۔ ہر انتشار کو اُس سے اتحاد و یگانگی حاصل ہوتی۔

نقطۂ وحدت اور گوشۂ قدس کا بقاء

وہی مقام تمام اُمّت کی تعلیم و ہدایت کے لئے ایک وسطی درس گاہ کا کام دیتا۔ وہی تمام کرۂ ارضی کی پھیلی ہوئی کثرت کے لئے نقطۂ وحدت ہوتا۔ ساری دُنیا ٹھنڈی پڑ جاتی، پر اُس کا تنور کبھی نہ بجھتا۔ ساری

دُنیا تاریک ہو جاتی، مگر اُس کی روشنی کبھی گُل نہ ہوتی۔ اگر تمام دُنیا اولادِ آدم کے باہمی جنگ و جدال اور فتنہ و فساد سے خونریزی کی دوزخ بن جاتی، پھر بھی ایک گوشۂ قدس ایسا رہتا جو ہمیشہ امن و رحمت کا بہشت ہوتا، اور انسانی فتنہ و فساد کی پرچھائیں بھی وہاں نہ پڑ سکتی۔

جلالِ الٰہی اور قدوسیت کی جلوہ گاہ اُس کا ایک ایک چپہ مقدّس ہوتا، اُس کا ایک ایک کونہ خُدا کے نام پر محترم ہو جاتا، اُس کا ایک ایک ذرہ اُس کے جلال و قُدّوسیّت کا جلوہ گاہ ہوتا۔ خونریز اور سرکش انسان ہر مقام کو اپنے ظلم و فساد کی نجاست سے آلودہ کر سکتا، پر اُس کی فضاءِ مُقدس ہمیشہ پاک و محفوظ رہتی اور جب زمین کے ہر گوشے میں انسانی سرکشی اپنی مُجرمانہ خداوندی کا اعلان کرتی، تو وہاں خدا کی سچّی بادشاہت کا تختِ عظمت و اجلال بچھ جاتا، اور اُس کا ظلِّ عاطفت تمام بندگانِ حق کو اپنی طرف کھینچ بُلاتا۔

سچّی توحید اور خدا پرستی کا گھر دُنیا پر کفر و شرک کے جماؤ اور اُٹھان کا کیسا ہی سخت اور بُرا وقت آجاتا، مگر سچّی توحید اور بے میل خدا پرستی کا وہ ایک ایسا گھر ہوتا، جہاں خدا اور اُس کی صداقت کے سوا نہ کسی خیال کی پہنچ ہوتی، نہ کسی صدا کی گُونج اُٹھ سکتی۔

نسلِ انسانی کا مشترک و عالمگیر گھر وہ انسان کی پھیلی ہوئی نسل کے

لئے ایک مشترک اور عالمگیر گھر ہوتا۔ کٹ کٹ کر قومیں وہاں جڑتیں، اور بکھر بکھر کے نسلیں وہاں سمٹتیں۔ پرند جس طرح اپنے آشیانوں کی طرف اُڑتے ہیں، اور پروانوں کو تم نے دیکھا کہ روشنی کی طرف دوڑتے ہیں، ٹھیک اُسی طرح انسانوں کے گروہ اور قوموں کے قافلے اُس کی طرف دوڑتے، اور زمین کی خشکی و تری کی وہ ساری راہیں جو اُس تک پہنچ سکیتں، ہمیشہ مسافروں اور قافلوں سے بھری رہتیں۔

رحمتوں اور بشارتوں کی درگاہِ معلیٰ

دنیا بھر کے زخمی دل وہاں پہنچتے اور شفا اور تندرستی کا مرہم پاتے، بے قرار و مضطر روحوں کے لئے اُس کے آغوشِ کرم میں آرام و سکون کی ٹھنڈک ہوتی۔ گناہ کی کثافتوں سے آلودہ جسم وہاں لائے جاتے، اور محرومی و نامرادی کی مایوسیوں سے گھائل دل چیختے اور تڑپتے ہوئے اُسکی جانب دوڑتے، تو اُس کی پاک ہوا اُمید و مُراد کی عطر بیزی سے مشکبار ہوجاتی، اُس کے پہاڑوں کی چوٹیاں خدا کی محبت و بخشش کے نغموں سے چھپ جاتیں، اور اُس کی مقدس فضا میں رحمت کے فرشتے غول در غول اُتر کر اپنی معصوم مُسکراہٹ اور اپنے پاک نغموں کے مغفرت و قبولیت کی بشارتیں بانٹتے!

شاخوں کی شادابی کا انحصار مرکز کی حفاظت پر

شاخوں کی شادابی جڑ پر موقوف ہے۔ درختوں کی جڑ اگر سلامت ہے تو شاخوں اور پتوں کے مرجھا جانے سے باغ اُجڑ نہیں سکتا۔ دس ٹہنیاں کاٹ دی

جائیں گی، تو بیسیں نئی نکل آئیں گی۔ اسی طرح قوم کا مرکز ارضی اگر محفوظ ہے، تو اُس کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کی بربادی سے قوم نہیں مٹ جا سکتی۔ سارے ٹکڑے مٹ جائیں، مگر مرکز باقی ہے تو پھر نئی نئی شاخیں پھوٹیں گی اور نئی نئی زندگیاں ابھریں گی۔

وجودِ خلیفہ و امام کے مرکز کی تمثیل پس جس طرح مسلمانوں کے اجتماعی دائرہ کے لئے خلیفہ و امام کے وجود کو مرکز ٹھہرایا گیا، اُسی طرح اُن کی ارضی وسعت و انتشار کے لئے عبادت کدہ ابراہیمیؑ کا کعبۃ اللہ اُس کی سرزمین حجاز، اور اُس کا مُلک جزیرۃ العرب دائمی مرکز قرار پایا۔ یہی معنی ان آیات کریمہ کے ہیں کہ:

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ۔ (۵ : ۹۷)	اللہ نے کعبہ کو کہ اُس کا محترم گھر ہے، انسانوں کے بقاؤ قیام کا باعث ٹھہرایا۔
وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا۔ (۲ : ۱۲۵) اور: وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا۔ (۳ : ۹۷)	اور جب ایسا ہُوا کہ ہم نے خانہ کعبہ کو انسانوں کیلئے اجتماع کا مرکز، اور امن کا گھر بنایا جو اُس کے حدود کے اندر پہنچ گیا، اُس کو پھر کسی طرح کا خوف اور ڈر نہیں۔

اور یہی علت تھی تحویلِ کعبہ کی۔ نہ وہ جو لوگوں نے سمجھی:

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ۔ (۲/۱۵۰)	اور تم کہیں بھی ہو، لیکن چاہئیے کہ اپنا رُخ اُس کی جانب رکھو!

فریضۂ حج کی مصلحتِ عظیمہ کیونکہ جب یہی ارضی مرکز قرار پایا تو تمام افرادِ قوم کے لئے لازمی ہوا کہ جہاں کہیں بھی ہوں، رُخ اُن کا اُسی طرف رہے، اور دن میں پانچ مرتبہ اپنے قومی مرکز کی طرف متوجہ ہوتے رہیں۔ اور یاد رہے کہ منجملہ بے شمار مصالح و حکم کے، ایک بڑی مصلحت فریضۂ حج میں یہ بھی ہے کہ ساری اُمت، تمام کرۂ ارضی، اور تمام اقوامِ عالم کو اس نقطۂ مرکز سے دائمی پیوستگی بخش دی:

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ (۲۲ : ۲۸)

اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو۔ پھر ایسا ہوگا کہ ساری دُنیا کو یہ گوشۂ برکت کھینچ بُلائیگا۔ لوگوں کے پیادے اور سوار قافلے دُور دُور سے یہاں پہنچیں گے!

فصل ۲

احکامِ شرعیّہ اور تطہیرِ اسلامی مملکت

حُرمتِ سرزمینِ حرمِ مکہ اس مرکز کے قیام و بقاء کے لئے سب سے پہلی بات یہ تھی کہ دائمی طور پر اس کو صرف اسلام کے لئے مخصوص کردیا جائے۔ جب تک یہ خصوصیت قائم نہ کی جاتی، اُمت کے لئے اس

مرکزیت کے مطلوبہ مقاصد و مصالح حاصل نہ ہوتے۔
چنانچہ اسی بنا پر مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ:

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا۔ (۹ : ۲۸)	حقیقتِ حال اس کے سوا کچھ نہیں کہ مشرک نجس ہیں (یعنی شرک نے اُن کے دلوں کی پاکی سلب کر لی ہے) پس چاہیئے کہ اب اس برس کے بعد سے (یعنی ۹ھ کے بعد سے) مسجدِ حرام کے نزدیک نہ آئیں۔

مسجدِ حرام کے حدود صرف توحید کی پاکی کے لئے مخصوص ہیں۔ اب آئندہ کوئی غیر مسلم اس کے قریب بھی نہ آنے پائے یعنی نہ صرف یہ کہ وہاں غیر مسلم نہ رہیں، بلکہ کسی حال میں داخل بھی نہ ہوں جمہورِ اہل اسلام نے اتفاق کیا کہ مسجدِ حرام سے مقصود صرف احاطۂ کعبہ ہی نہیں ہے، بلکہ تمام سرزمینِ حرم ہے۔ اور دلائل و مباحث اس کے اپنے مقام پر درج ہیں۔

حرمِ مدینہ منوّرہ اور اسی طرح احادیث صحیحہ و کثیرہ سے جو حضرت علی، سعد بن وقاص، انس، جابر، ابو ہریرہ، عبداللہ بن زید، رافع بن خدیج، سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم و غیرہم اجلّہ صحابہ سے مروی ہیں، ثابت ہو چکا ہے کہ مدینہ کی زمین بھی مثل مکّہ کے حرم ہے اور عیر و ثور اس کے حدود ہیں:

المدينة حرام ما بين	عیر اور ثور کے مابین ساری سرزمین حرم

عیر الیٰ ثور۔ (اخرجہ الشیخان) | مدینہ میں شامل ہے۔

اور روایتِ سعدؓ کہ: انی احرم ما بین لابتی المدینۃ ان یقطع عضاھا او یقتل صیدھا (رواہ المسلم)" اور روایتِ انسؓ متفق علیہ ہے کہ:

اللّٰھم ان ابراھیم حرم مکۃ، وانی احرم ما بین لابتیھا۔ | خدایا! ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم ٹھہرایا اور میں مدینہ کو ٹھہراتا ہوں!

جزیرۂ عرب کی حرمت یہ احکام تو خاص اس مرکز کی نسبت تھے۔ باقی رہا اُس کا گرد و پیش، یعنی جزیرۂ عرب، تو گو اس کے لئے اس قدر اہتمام کی ضرورت نہ تھی، تاہم اس کا خالص اسلامی ملک ہونا ضروری تھا۔ تاکہ اسلامی مرکز کا گرد و پیش اور اس کا مولدُ منشا ہمیشہ غیروں کے اثر سے محفوظ رہے۔

ظہورِ اسلام کے وقت مراکزِ غیر مسلم اسلام کا جب ظہور ہُوا تو علاوہ مُشرکین عرب کے یہود و نصارٰی کی بھی ایک بڑی جماعت جزیرۂ عرب میں آباد تھی۔ مدینہ میں یہودیوں کے متعدد قبیلے تھے۔ خیبر میں اُنہی کی ریاست تھی۔ یمن میں نجرانِ عرب عیسائیوں کا بڑا مرکز تھا۔

غیر مسلموں کا اخراج از مدینہ مدینہ کی سرزمین خود آپؐ کی زندگی ہی میں یہودیوں سے خالی ہو گئی۔ آخری جماعت جو مدینہ سے خارج کی گئی، بنو قینقاع اور بنو حارثہ کا گروہ تھا۔ امام مُسلم نے ابنِ عمرؓ

کا قول نقل کیا ہے: ان یھود بنی النضیر حاربوا رسول اللہ صلعم فاجلی بنی النضیر واقر قریظة ومن علیھم حتی حاربت قریظة فقتل رجالھم وقسم اولادھم ونسائھم بین المسلمین الا بعضھم لحقوا برسول اللہ فامنھم واسلموا، واجلی یھود المدینة کلھم بنی قینقاع وھم قوم عبد اللہ بن سلام ویھود بنی حارثہ، وکل یھودی کان بالمدینة۔

بخاری و مسلم میں اس آخری اخراج کا واقعہ بروایت حضرت ابوہریرہ رضؓ مروی ہے۔ آپؐ صحابہ رضؓ کو ساتھ لے کر یہودیوں کی تعلیم گاہ میں تشریف لے گئے اور فرمایا: یا معشر الیھود! اسلموا تسلموا۔ (اسلام قبول کرو، نجات پاؤ گے) پھر فرمایا:

اعلموا ان الارض للہ ورسولہ وانی ارید ان اجلیکم من ھذہ الارض، فمن وجد منکم بمالہ شیئا فلیبعہ، والا فاعلموا ان الارض للہ ورسولہ۔	جان لو کہ یہ زمین اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے ہے اور میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ تم کو اس ملک سے خارج کر دوں۔ پس اپنا مال و متاع فروخت کرنا چاہو تو کر دو۔ ورنہ جان رکھو کہ اس ملک کی حکومت صرف اللہ اور اس کے رسولؐ ہی کیلئے ہے۔

بوقت رحلت وصیت نبویؐ جب آپؐ دنیا سے تشریف لے گئے تو دو مقام ایسے رہ گئے تھے، جہاں سے یہود و نصاریٰ کا اخراج نہ ہو سکا تھا: خیبر اور نجران۔ پس آپؐ نے وصیت فرمائی کہ آئندہ

جزیرۂ عرب صرف اسلام کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ جو غیر مسلم اس ملک میں باقی رہ گئے ہیں، خارج کر دئے جائیں۔

امام بخاری رح نے باب باندھا ہے: "اخرج الیھود من جزیرۃ العرب" اس میں پہلی روایت یہودِ مدینہ کے اخراج کی لائے ہیں جو اوپر گزر چکی ہے۔ دوسری روایت حضرت ابن عباس رض کی ہے۔ آنحضرت صلعم نے مرض الموت میں تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی۔ ایک یہ تھی: "اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب"

یہود و نصاریٰ دونوں مراد ہیں

حافظ ابن حجر رح لکھتے ہیں:

اقتصر علی ذکر الیھود لانھم یوحدون اللہ تعالیٰ الا القلیل و مع ذالک امر باخراجھم، فیکون اخراج غیرھم من الکفار بطریق اولی (فتح الباری ۶: ۱۹۴)

یعنی امام بخاری رح نے عنوانِ باب میں صرف یہود کا ذکر کیا۔ اس میں استدلال یہ ہے کہ تمام غیر مسلم اقوام میں یہودی سب سے زیادہ توحید کے قائل ہیں۔ ان کو خارج کیا گیا تو دیگر مذاہب کے اخراج کا وجوب بدرجۂ اولیٰ ثابت ہو گیا۔

بس حاجت تصریح کی نہیں۔ حضرت عمر رض کی روایت میں یہود و نصاریٰ کا لفظ ہے: لاخرجن الیھود والنصٰری من جزیرۃ العرب حتی لا ادع الا مسلما۔ (رواہ مسلم واحمد والترمذی وصححہ)۔

حجاز و نجران کے یہود

ابو عبیدہ بن جراح رض سے امام احمد نے روایت

کیا ہے: اٰخر ما تکلم به رسول اللہ صلعم اخرجوا یھود اھل الحجاز واھل نجران من جزیرۃ العرب "

علّت اخراج کی وضاحت | حضرت عائشہ رضہ کی روایت میں اس کی علّت بھی واضح کردی ہے:

اٰخر ما عھد رسول اللہ صلعم ان قال لا یترک بجزیرۃ العرب دینان (رواہ احمدؒ)	یعنی سب سے آخری وصیت رسول اللہ صلعم کی یہ تھی کہ جزیرۂ عرب میں دو دین جمع نہ ہوں صرف اسلام کے لئے مخصوص ہوجائے۔

امام مالکؒ نے موطا میں عمر بن عبدالعزیزؒ اور ابن شہاب کے مراسیل نقل کئے ہیں اور مصمودی وغیرہم نے باب باندھا ہے: "اخراج الیھود والنصارٰی من جزیرۃ العرب" عمر بن عبدالعزیزؒ کی روایت میں ہے: کان من اٰخر ما تکلم به رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انه قال قاتل اللہ الیھود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیائھم مساجد لا یبقیان دینان بارض العرب" اور ابن شہاب کا لفظ ہے: "لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے آخر تکلم "قاتل اللہ الیھود والنصرٰے" جو نقل کیا ہے، تو حضرت عائشہ رضہ سے صحیحین وغیرہا میں بطریقِ رفع بھی ثابت ہے۔

سب روایتوں کا مضمون متحد | حافظ نوویؒ نے گو امام بخاری کا اتباع کیا اور "اجلاء الیھود" کا باب استدلالاً کافی سمجھا، لیکن حافظ

منذری نے تلخیص مسلم میں "اخراج الیھود والنصٰری من جزیرۃ العرب" کا الگ باب باندھ کر جزیرۂ عرب والی روایتیں، روایات اجلاءِ یہود سے الگ کردی ہیں۔ یہ وصیّتِ نبویؐ علاوہ طرقِ بالا کے مسندِ امام احمدؒ، مسندِ حمیدی، سننِ بیہقی وغیرہ میں بھی مختلف طریقوں سے مروی ہے، اور سب کا مضمون متحد اور باہمدگر اجمال و تبیین اور اعتضاد و تقویت کا حکم رکھتا ہے۔

فصل ۳

غیر مسلموں کا خیبر اور نجران سے اخراج

احکامِ شرعیہ کی دو قسمیں احکامِ شرعیہ دو قسم کے ہیں:

(۱) ایک قسم اُن احکام کی ہے جن کا تعلق افراد کی اصلاح و تزکیہ سے ہوتا ہے، جیسے تمام اوامر و نواہی اور فرائض و واجبات۔

(۲) دوسرے وہ ہیں جن کا تعلق افراد سے نہیں، بلکہ اُمّت کے قومی اور اجتماعی فرائض اور ملکی سیاسیات سے ہوتا ہے، جیسے فتحِ ملک و قوانینِ سیاسیہ و ملکیہ۔

سُنّتُ اللہ سُنّتِ الٰہی یُوں واقع ہوئی ہے کہ پہلی قسم کے احکام خود شارع کی زندگی ہی میں تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں، اور وہ دُنیا نہیں چھوڑتا، مگر اُن کی تکمیل کا اعلان کر کے۔ لیکن دوسری قسم کے

لئے ایسا ہونا ضروری نہیں۔ بسا احکام ایسے ہوتے ہیں جن کے نفاذ و وقوع کے لئے ایک خاص وقت مطلوب ہوتا ہے اور وہ شارع کے بعد بتدریج تکمیل و تنفیذ پاتے ہیں۔ پس اُن کی نسبت یا تو بطریق پیشین گوئی کے خبر دے دی جاتی ہے یا اپنے جانشینوں کو وصیّت کردی جاتی ہے۔

یہ معاملہ دوسری قسم میں داخل ہے | یہ معاملہ اسی دوسری قسم میں داخل تھا۔ پس ضرور نہ تھا کہ اس کا پورا پورا نفاذ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیّبہ ہی میں ہو جاتا۔ آپ نے یہودِ مدینہ کے اخراج سے عملاً نفاذ شروع کر دیا۔ یہودِ خیبر سے ابتدا ہی میں شرط کرلی تھی کہ جب ضرورت ہوگی، اس سرزمین سے خارج کر دئیے جاؤ گے۔ پھر تکمیل کے لئے اپنے جانشینوں کو وصیّت فرمادی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں تکمیل کا وقت آگیا، اور یہودِ خیبر نے طرح طرح کی شرارتیں اور نافرمانیاں کرکے خود ہی اس کا موقع بہم پہنچا دیا۔ پس حضرت عمرؓ نے اُس وصیّت کی تحقیق کی اور جب پُوری طرح تصدیق ہوگئی تو تمام صحابہ کو جمع کرکے اعلان کر دیا۔ سب نے اتفاق کیا اور یہودِ خیبر و فدک خارج کر دئیے گئے۔ اسی طرح نجران سے بھی عیسائیوں کا اخراج عمل میں آیا۔ امام زہریؒ نے ابنِ عتبہؓ سے اور امام مالک رحؒ نے ابنِ شہاب سے روایت کیا ہے:

ما زال العمر حتی وجد الثبت عن رسول اللہ انہ قال: لا یجتمع

بجزیرۃ العرب دینان' فقال من کان لہ من اھل الکتاب عھد فلیأت بہ' انفذ لہ والا فانی مجلیکم' فاجلاھم (اخرجہ ابن ابی شیبہ)

خیبر میں تسلط عارضی و مشروط

امام بخاریؒ نے یہود خیبر کے اخراج کا واقعہ کتاب الشروط کے باب "اذا اشترط فی المزارعۃ اذا شئت اخرجتک" میں درج کیا ہے۔ اور ترجمۂ باب میں استدلال ہے کہ یہود خیبر کا تقرر پہلے ہی سے عارضی و مشروط تھا، بالاستقلال نہ تھا۔ حافظ عسقلانی رح لکھتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ کے اجلاء کردہ اہل کتاب کی تعداد چالیس ہزار منقول ہے۔"

اسلامی آبادی کے لئے مخصوص

پس صاحب شریعت کے قول و عمل' اُن کے آخری لمحات حیات کی وصیت' حضرت عمرؓ کے فحص و تصدیق، تمام صحابہ کے اجماع و اتفاق سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اسلام نے ہمیشہ کے لئے جزیرۃ العرب کو صرف اسلامی آبادی ہی کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ اِلّا یہ کہ کسی مصلحت کے لئے خلیفۂ وقت عارضی طور پر کسی گروہ کو داخل ہونے کی اجازت دے دے۔

غیر مسلموں کا قیام و تسلط ناجائز

اور ظاہر ہے کہ جب وہاں غیر مسلموں کا قیام اور دو دینوں کا اجتماع شریعت کو منظور نہیں، تو غیر مسلم کی حکومت یا حاکمانہ نگرانی و بالادستی کو جائز رکھنا کب مسلمانوں کے لئے شرعاً ناجائز ہوسکتا ہے؟

فصل ۴

جزیرۂ عرب اور اُس کا حُدودِ اربعہ

لفظ "جزیرہ" کا قدیمی استعمال باقی رہا یہ مسئلہ کہ جزیرۂ عرب سے مقصود کیا ہے؟ تو یہ بالکل صاف و واضح ہے۔ اس کے لئے کسی بحث و نظر کی ضرورت ہی نہیں۔ نصِ حدیث میں "جزیرۂ عرب" کا لفظ وارد ہے، اور عقلاً و اصولاً ظاہر ہے کہ جب تک کوئی سبب قوی موجود نہ ہو، کسی لفظ کے منطوق اور عام و متعارف مدلول سے انحراف جائز نہ ہوگا، اور نہ بلا مخصص کے قیاساً تخصیص جائز۔ شارع نے "جزیرہ" کا لفظ کہا اور دُنیا میں اُس وقت سے لے کر اب تک جزیرۂ عرب کا اطلاق ایک خاص مُلک پر ہر انسان کر رہا اور جان رہا ہے پس جو مطلب اس کا سمجھا جاتا تھا اور سمجھا جاتا ہے، وہی سمجھا جائیگا۔

اتفاقِ مؤرخین و جغرافیہ نگار تمام مؤرخین اور جغرافیہ نگارانِ قدیم و جدید متفق ہیں کہ عرب کو "جزیرہ" اس لئے کہا گیا کہ تین طرف سمندر اور ایک جانب دریا کے پانی سے محصور ہے۔ یعنی تین طرف بحرِ ہند، خلیج فارس، بحرِ احمر و قلزم واقع ہیں۔ ایک جانب دریائے دجلہ و فرات۔

فتح الباری وغیرہ میں ہے : قال الخلیل سمیت جزیرۃ العرب لان بحر فارس وبحر الحبشۃ والفرات ودجلۃ احاطت بھا۔ (۶ : ۱۱۸)۔

اور اصمعی کا قول ہے : لاحاطۃ البحار بھا یعنی بحر الھند و القلزم وبحر فارس وبحر الحبشۃ ودجلۃ (ایضاً)

نہایہ میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے : "سمیت جزیرۃ لان بحر الفارس وبحر السودان احاطۃ بجانبیھا، واحاط بالجانب الشمالی دجلۃ والفرات"

یہی قول ارباب لغت کا بھی ہے۔ قاموس میں ہے : "جزیرۃ العرب ما احاط بہ بحر الھند والشام ثم دجلۃ والفرات"

پطرس بستانی کی تشریح پروفیسر پطرس بستانی نے بھی (جو زمانہ حال میں شام کا ایک مشہور مسیحی مصنف گزرا ہے اور جس نے عربی میں انسائیکلو پیڈیا لکھنی شروع کی تھی) محیط المحیط میں یہی تعریف کی ہے۔ حاصل سب کا یہی ہے کہ جزیرۂ عرب وہ سرزمین ہے جس کے تین جانب سمندر ہیں اور شمالی جانب دریائے دجلہ اور فرات۔

یاقوت حموی کی تفصیل سب سے زیادہ مفصل جغرافیہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں دیا ہے جس سے زیادہ جامع و معتبر کتاب عربی میں جغرافیہ و تقویم بلدان کی کوئی نہیں : انما سمیت بلاد العرب جزیرۃ لاحاطۃ الانھار والبحار، وذلک ان الفرات اقبل من بلاد الروم، فظھر بناحیۃ قنسرین، ثم انحط علی اطراف الجزیرۃ

وسواد العراق، حتی وقع فی البحر فی ناحیة البصرة والایلہ، وامتد الی عبادان، واخذ البحر فی ذلك الموضع مغربا منعطفا ببلاد العرب۔ الخ

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ "عرب اس لئے جزیرہ مشہور ہوا کہ سمندروں اور دریاؤں سے گھرا ہوا ہے۔ صورت اس کی یوں ہے کہ دریائے فرات بلادِ روم سے شروع ہوا اور قنسرین کے نواح میں عرب کی سرحد پر ظاہر ہوا۔ پھر عراق میں ہوتا ہوا بصرہ کے پاس سمندر میں جا ملا۔ وہاں سے پھر سمندر نے عرب کو گھیرا، اور قطیف و ہجر کے کناروں سے ہوتا ہوا عمان اور شحر سے گزر گیا، پھر حضر موت اور عدن ہوتا ہوا پچھم کی جانب یمن کے ساحلوں سے جا ٹکرایا۔ حتیٰ کہ جدہ نمودار ہوا جو مکہ اور حجاز کا ساحل ہے، پھر ساحل طور اور خلیج ایلہ پر جاکر سمندر کی شاخ ختم ہوگئی۔ پھر سرزمینِ مصر شروع ہوتی ہے اور قلزم نمودار ہوتا ہے، اور اس کا سلسلہ بلادِ فلسطین سے سواحلِ عسقلان ہوتا ہوا سرزمین صور و ساحل اردن تک بیروت پر پہنچتا ہے، اور آخر میں پھر قنسرین تک منتہی ہوکر وہ جگہ آجاتی ہے، جہاں سے فرات نے عرب کا احاطہ شروع کیا تھا۔ پس اس طرح چاروں طرف پانی کا سلسلہ قائم ہے۔ بحرِ احمر اور قلزم کی درمیانی خشکی بھی پانی سے خالی نہیں۔ کیونکہ سوڈان سے دریائے نیل وہاں آپہنچتا ہے اور قلزم میں آگرتا ہے۔ یہی جزیرہ ہے جس سے عرب کی سرزمین عبارت ہے، اور یہی عرب اقوام کا مولد و منشا ہے۔" انتہیٰ ملخصاً۔ (جلد ۳ — ۱۰۰)۔

نقشۂ عرب کا مطالعہ اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ جزیرۂ عرب کے حدود کیا ہیں؟ عرب کا نقشہ اپنے سامنے رکھو اور اس پر مندرجہ بالا تخطیط منطبق کر کے دیکھو۔ اوپر شمال ہے، داہنے مشرق اور بائیں مغرب۔ شمال میں دریائے فرات مغرب سے خم کھاتا ہوا نمودار ہوتا ہے اور صحرائے شام کے کنارے سے گزرتا ہوا دجلہ میں مل جاتا ہے۔ پھر دونوں مل کر خلیج فارس میں گرتے ہیں فرات کے پیچھے دجلہ کا خط ہے اور اسی پر بغداد واقع ہے۔ خلیج فارس کے مشرق میں ایران ہے اور مغربی ساحل میں قطیف و احساء۔ پھر یہ خلیج تنگنائے ہرمز سے نکل کر مسقط و عمان کے کناروں سے گزرتا ہے اور اس کے بعد ہی بحر عمان نمودار ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد حضر موت کا ساحل دیکھو گے۔ پھر عدن آ گیا، اور باب المندب سے جونہی آگے بڑھے، بحر احمر شروع ہو گیا۔ چونکہ اس کا مغربی ساحل افریقہ و حبش سے متصل ہے، اس لئے قدیم جغرافیہ میں اس کو بحر حبش بھی کہتے تھے۔ بحر احمر کے کنارے پہلے یمن ملیگا پھر جدہ ملیگا۔ اس کے بعد ساحل حجاز۔ حتیٰ کہ سمندر کی شاخ پتلی ہو کر طور سینا تک منتہی ہو گئی، اور اس کے ساتھ ہی خلیج عقبہ کی شاخ نمودار ہوئی۔ اب مصر کی سرزمین شروع ہو گئی۔ نہر سویز کے بننے سے پہلے یہ خشکی کا ایک ٹکڑا تھا جس نے بحر احمر کو بحر متوسط سے جدا کر دیا تھا۔ اس لئے صاحب معجم نے یہاں دریائے نیل کا ذکر کیا ہے جس کو اسی

درمیانی تختۂ خشک کے بائیں جانب دیکھ رہے ہو۔ وہ قاہرہ سے ہوتا ہُوا اسکندریہ کے پاس سمندر میں جاگرتا ہے۔ پس اگرچہ اُس زمانے میں یہ ٹکڑہ خشک تھا مگر سمندر کی جگہ دریائے نیل کا خطِ آبی موجود تھا۔

اس کے بعد بحرِ متوسط ہے جس کے ابتدائی حصہ کو قدیم جغرافیہ نویس بحرِ مصر و شام سے موسوم کرتے تھے۔ اسی پر بیروت واقع ہے اور ساحل سے اندر کی جانب دیکھو گے تو پھر وہی مقام سامنے ہوگا جہاں سے دریائے فرات نمودار ہو کر خلیج فارس کی جانب بڑھا تھا۔

قدیم و جدید جغرافیہ نگاروں کا اتفاق پس یہ ایک مثلث نما ٹکڑہ ہے جو اس تمام بحری احاطہ کے اندر واقع ہے۔ صرف خشکی کا ایک حصّہ شمال میں فرات کی بائیں جانب نظر آتا ہے۔ یعنی سرحدِ شام۔ یہی مثلث ٹکڑہ جزیرۂ عرب ہے۔ قدیم و جدید جغرافیہ نگار، دونوں اس پر متفق ہیں۔

اس سے معلوم ہُوا کہ عرب کے جزیرہ اور جزیرہ نما ہونے میں سب سے زیادہ اہم وجود دریائے دجلہ و فرات کا ہے۔ کیونکہ اگر یہ عرب کے حدود سے کوئی متصل تعلق نہیں رکھتے، تو پھر اسکی ایسی صورت ہی باقی نہیں رہتی جس پر جزیرہ کا اطلاق ہو سکے۔ یعنی شمال کی جانب بالکل خشک رہ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس کسی نے عرب کی تعریف کی، احاطۂ بحر و نہر کا لفظ لکھ کر واضح کر دیا کہ جانب شمال

دجلہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اور جنہوں نے مقامات کے نام لے کر حدود متعین کئے، انہوں نے بھی صاف کہہ دیا کہ شمالی حد دجلہ ہے۔ نہایہ، معجم البلدان اور فتح الباری میں اصمعی کا قول منقول ہے: "من اقصی عدن ابین الی ریف العراق طولا، ومن جدہ وساحل البحر الی اطراف الشام عرضًا"۔ کرمانی نے کہا: "ھی ما بین عدن الی ریف العراق طولاً، ومن جدہ الی الشام عرضًا"۔

یہی قاموس میں ہے۔ ایسا ہی ابن کلبی سے مروی ہے۔ رفاعہ بک طہطاوی نے قدیم و جدید کتب سے اخذ کر کے عربی میں "تعریفات النافعہ لمرید الجغرافیہ" لکھی۔ اس میں بھی یہی حدود ہیں۔

قدیم و جدید حدود دار بعۂ عرب پس صاحبِ معجم کی تفصیل اور تمام اقوال سے ثابت ہو گیا کہ عرب، طول میں عدن سے لے کر عراق کی ترائی تک، اور عرض میں ساحلِ بحرِ احمر سے خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے اس کی حدِ شمال میں دہنی جانب دجلہ ہے، اور بائیں جانب عرض کا خط کھینچیں تو شام۔ آجکل کے جغرافیوں میں بھی عرب کے حدود یہی بتلائے جاتے ہیں کہ پچھم میں بحرِ احمر، جنوب میں بحرِ ہند، پورب میں خلیج فارس اور دکھن میں ملکِ شام ہے۔

وجہ تسمیۂ عراق اسی معجم البلدان میں عراق کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "ای انھا اسفل ارض العرب۔ (جلد ۶: ۱۳۲) یعنی عراق اس لئے نام ہوا کہ زمین عرب کا سب سے زیادہ نچلا حصہ ہے۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ عراق عرب میں داخل ہے۔ البتہ عراق کا وہ حصہ جو دجلہ کے پار ہے، اس میں داخل نہ ہوگا۔

نقشۂ عرب کی اہمیت ہم یہاں عرب کا ایک نقشہ تفسیر البیان کے مسودہ سے لے کر درج کرتے ہیں۔ اس نقشہ میں ظہورِ اسلام کے وقت جزیرۂ عرب کی حالت دکھلائی ہے۔ یہ نقشہ دراصل یورپ کے بعض مشہور مستشرقین (اورمی انٹلسٹ) نے قدیم نقشوں اور تعریفات سے مدد لے کر تیار کیا تھا، جس کو ۱۸۵۰ء میں پروفیسر فرڈی ننڈ ویسٹن فیلڈ (FERDINAND WESTEN FIELD) نے لیڈن یونیورسٹی سے شائع کیا۔ جزیرۂ عرب کے تمام قدیم نقشوں میں سب سے زیادہ صحیح اور مستند نقشہ یہی ہے۔ نقطوں کے خطوط سے تجارتی قافلوں کی وہ سڑکیں دکھلائی ہیں جو چھٹی صدی عیسوی میں عرب کے اندرونی مقامات سے سواحل تک جاتی تھیں۔

فصل ۵

مسجدِ اقصیٰ و ارضِ مقدس

مقدس و محترم ترین مقامات اسلام مقاماتِ مقدسہ اسلامیہ کے سلسلہ میں بیت المقدس اور اس کی سرزمین کا مسئلہ مسلمانوں کے لئے اِس

سے کم اہمیت نہیں رکھتا، جس قدر حرم مکہ اور حرم مدینہ کا۔

اسلام نے جن تین مقامات کے لئے بہ نیت طاعت و ثواب سفر کرنے کی اجازت دی ہے، ان میں جس طرح مکہ و مدینہ کا نام ہے، اسی طرح بیت المقدس کا بھی ہے۔ بخاری و مسلم کی مشہور روایت میں ہے:

لاتشد الرحال الا الی ثلثۃ مساجد: المسجد الحرام و مسجدی ھذا والمسجد الاقصیٰ۔	یعنی بہ نیت زیارت و طاعت سفر کا قصد و اہتمام کرنا نہیں ہے مگر ان تین جگہوں کیلئے: مسجد حرام، مسجد مدینہ اور مسجد اقصیٰ۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام دنیا میں مسلمانوں کیلئے شرعاً یہی تین مقام سب سے زیادہ مقدس و محترم ہیں۔ اور انہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان کی زیارت کے لئے نیت کر کے اپنے وطنوں سے نکلتے ہیں، سفر کی تکلیفیں اور صعوبتیں برداشت کرتے ہیں، اور یقین کرتے ہیں کہ اس کے معاوضہ میں ان کے لئے بڑا ہی اجر ہے۔

سرزمین بیت المقدس کی مذہبی حیثیت یہی وجہ ہے کہ جمہور ائمۂ اسلام نے اتفاق کیا کہ مسجد اقصیٰ کی زیارت کی اگر نذر مانی ہو تو اس کا ادا کرنا اسی طرح واجب ہوگا، جس طرح زیارت مسجد نبوی اور حج و عمرہ کا ادا کرنا۔ حالانکہ ان تین جگہوں کے علاوہ اگر کسی دوسری زیارت گاہ کے سفر کے لئے نذر مانی ہو، تو اس کا ادا کرنا باتفاق ائمہ واجب نہ ہوگا۔ اس سے اندازہ کر لیا جا سکتا ہے کہ بیت المقدس کی سرزمین مسلمانوں کے مذہبی احکام و اعتقاد میں کیسا

اہم درجہ رکھتی ہے؟

مسلمانوں کی وراثت یہی وہ مقدس سرزمین ہے جس کا اللہ نے یہودیوں سے وعدہ کیا تھا، اور بالآخر وعدہ پورا ہو کر رہا۔ لیکن وہ اس کے اہل ثابت نہ ہوئے، اور دُنیا کی حکومت و عزت کے ساتھ یہاں کی بادشاہت بھی اُن سے چھین لی گئی۔ پھر مسیحی دور شروع ہوا، اس کے بعد مسلمان وارث ہوئے۔ قرآن نے مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھ اِس وراثت کی بشارت دی:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۔ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ ۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ۔ (۲۱ : ۱۰۵)	اور (دیکھو) ہم نے زبور میں تذکیر و نصیحت کے بعد یہ بات لکھ دی تھی کہ "زمین کی وراثت انہی لوگوں کے حصے میں آئیگی جو نیک ہوں گے" اس بات میں اُن لوگوں کے لئے جو عبادت گزار ہیں، ایک بڑا ہی پیام ہے۔ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھے نہیں بھیجا ہے مگر اس لئے کہ تمام دُنیا کے لئے رحمت کا ظہور ہو!

حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ اس آیت میں "الارض" سے مقصود بیت المقدس اور فلسطین ہے۔ اس میں خبر دی گئی ہے کہ اب وہاں کی بادشاہت مسلمانوں کے حصے میں آئیگی۔ اسی لئے کہا: إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ ۔

ساری دُنیا کی حکومت سے عزیز سرزمین یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ اس سرزمین کی خدمت و وراثت کو اللہ کی طرف سے ایک مخصوص عطیۂ و امانت سمجھا، اور اس کی حفاظت کو حرمین کی طرح ساری دُنیا کی حکومت و فرماں روائی سے بھی زیادہ عزیز و محبوب سمجھتے رہے۔ یہی اعتقادِ دینی تھا جس نے مسیحی جہاد کی اُن آٹھ لڑائیوں کو کامیاب ہونے نہ دیا، جن میں تمام یورپ یورپ کی طاقت اکٹھی ہو گئی تھی، حالانکہ وہ وقت مسلمانوں کی پولیٹیکل طاقت کے عروج کا نہ تھا، تنزّل و انحطاط کا تھا" اور تمام عالمِ اسلامی مختلف حکومتوں میں منتفرق ہو چکا تھا۔ اُس وقت سے لے کر آج تک وہاں کی حکومت خلیفۂ اسلام کے ماتحت رہی ہے، اور ہمیشہ خود یورپ نے مسیحی دُنیا کے امن و سکون کے لئے اسی بات کو بہتر سمجھا ہے۔ پس اگر آج پھر ازمنۂ مظلمہ (مڈل ایجز MIDDLE AGES) کی تاریخ دُہرائی جائے گی، اور اسلام کی جگہ اُسے مسیحیت یا یہودیت کے زیرِ اثر لانے کی کوشش کی جائے گی، تو مسلمانانِ عالم کے لئے ناممکن ہوگا کہ خاموش رہ سکیں۔ اُن کا فرض ہوگا کہ جب گزشتہ کروسیڈ (CRUSADE) کا ایک حصّہ دُہرایا گیا ہے، تو دوسرا حصہ بھی ظہور میں آ جائے۔

ناقابلِ برداشت معاملہ وہ مسلمانوں کی دینی زیارت گاہ ہے۔

اُن کا مقدس مقام ہے۔ اُس کی مذہبی وابستگی اُن کے ایمان و مذہب کا جزو ہے۔ اگر وہاں یہودیوں کا اقتدار بڑھایا جاتا ہے، یا کسی مسیحی حکومت کو نگرانی و بالا دستی کے نام سے قائم کیا جاتا ہے، تو یہ صرف مسلمانوں کی آبادیوں ہی کو نہیں بلکہ اُن کی شریعت کو چیلنج (CHALLENGE) دینا ہے، اور مسلمانوں کو مجبور کر دینا ہے کہ یا تو اسلام کی جانب سے اس چیلنج کو قبول کر لیں، یا اس کی اطاعت و حمایت سے دستبردار ہو جائیں!

سُنہری موقع

ہم نے اپنے بعض مرحوم مخلصین احباب کرام کو ایصالِ ثواب کی غرض سے کتاب ہٰذا کی ایک مخصوص تعداد مقرر کر رکھی ہے، جو اُن حجاج کرام کی خدمت میں ہدیۃً اور مُفت پیش کی جا سکتی ہے جو اپنا پرمٹ اور پاسپورٹ دفتر ہٰذا میں دکھلا دیں۔

ناظم الہلال بُک ایجنسی لاہور

خاتمۂ کتاب

از ناشر

اغراض و مقاصدِ حج } حج ایک اہم ترین فریضۂ اسلام ہے جس کی ادائیگی کے ذریعے مسلمان اپنے دلوں میں عفو و مغفرت کی بے شمار آرزوئیں لے کر اپنے مالک و آقا کے دربار میں حاضری کا شرف حاصل کرتا ہے۔ اِسی لئے خداوندِ عالم نے حج کو دین اور دُنیا دونوں قسم کے فوائد کا جامع و مانع بنا دیا ہے۔ جس آیت میں حج کرنے کا حکم دیا ہے، وہاں ساتھ ہی اس کی فرضیت کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے:

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ (۲۲ : ۲۸)	تاکہ وہ اپنے فائدہ کے کاموں میں شریک ہوں۔

حج کے دینی فوائد تو ظاہر و باہر ہیں کہ گناہ اس طرح دُھل جاتے ہیں جس طرح بچہ اپنی ماں کے پیٹ سے بے گناہ و معصوم پیدا ہوتا ہے۔ جنّت کا حقدار اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا تمغہ مل جاتا ہے۔ لیکن دُنیاوی فوائد کے لحاظ سے بھی حج منافع کثیرہ کا حامل ہے۔

(۱) سب سے پہلے اسلام ایک پیغامِ محبت و مُودّت ہے جو بچھڑے ہوئے دلوں کو ملاتا اور بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے۔ احکامِ اسلام کا

ایک بڑا منشاء یہ بھی ہے کہ اُمت کے افرادِ مختلفہ کو ملت واحد بنا دیا جائے۔ چنانچہ اسی غرض سے اہلِ محلہ میں محبت پیدا کرنے اور اتحاد قائم رکھنے کے لئے پنجگانہ نمازوں میں مسجد میں جمع ہونا واجب کر دیا گیا۔ اہلِ شہر میں تعلقات بڑھانے کی غرض سے جمعہ کے دن جامع مسجد میں اکٹھا ہونا ضروری قرار دے دیا۔ اہلِ شہر اور قرب و جوار کے رہنے والوں میں تعارف و روابط مستحکم کرنے کے لئے سال میں دو بار نمازِ عیدین کو سُننِ ھُدیٰ مقرر کر دیا۔ اسی طرح تمام عالم اسلامی میں رابطۂ دینی و دُنیاوی مضبوط کرنے کے لئے مختلف قوموں، مختلف نسلوں، مختلف زبانوں، مختلف رنگتوں اور مختلف ملکوں کے اشخاص کو دینِ واحد کی وحدت میں شامل کرنے کے لئے اُن سب لوگوں پر حج فرض کر دیا جو وہاں تک جانے کی استطاعت رکھتے ہیں۔

(۲) پھر مساواتِ اسلامی کا مقصد بھی حج سے بخوبی حاصل ہوتا ہے۔ سب لوگ شاہ ہوں یا گدا، ایک ہی لباس، ایک ہی جانب، ایک ہی جگہ خُدائے واحد کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں۔ گویا سب کے سب امتیازی تفرقے مٹ جاتے ہیں۔

(۳) مسلمانوں کو ایک جگہ اکٹھے ہو کر اُمورِ سیاست، تجارت وغیرہ جملہ اغراض و مسائل کے لئے مشورہ کا موقع ملتا ہے۔ باہم کر معاونت اور نصرتِ قرآنی کا مقصد حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم اقوام حج کے اجتماع سے دہشت زدہ رہتی اور اپنے اپنے ملکوں اور مقبوضات

کے لوگوں کو حج سے روکنے کی ہمیشہ کوششیں کرتی رہتی ہیں۔

(۴) حج مجاہدانہ زندگی کی ایک عملی تعلیم ہے اور جہاد فی سبیل اللہ اسلام کا رُوحِ رواں ہے اور جو مسلمان اس مقدس فرض کی ادائیگی اور طیاری سے غافل ہو، اس کا ایمان ناقص اور اس کا کوئی عمل مقبولِ بارگاہ نہیں۔ ویسے تو اسلام کے جملہ ارکان کو جہاد سے مناسبت ہے، مگر حج کو خصوصیت کے ساتھ شدید مناسبت ہے۔ تمام حاجی فوج کی طرح ایک ہی یونیفارم میں ملبوس ہوتے ہیں، فوجی قوانین کی پابندی کی طرح قانون کی خلاف ورزی مستوجب سزا و جرمانہ (کفارہ) قرار دی جاتی ہے۔ خلیفہ اسلام کی طلب پر شرکتِ جہاد کی طرح سب حاجیوں کو میدانِ عرفات میں حاضر ہونا پڑتا ہے ورنہ اُن کا حج ناقص قرار پاتا ہے۔ مجاہد فی سبیل اللہ کو سامانِ جنگ خود مہیا کرنے کی طرح ہر حاجی کے لئے ضروری ہے کہ سفرِ حج کا خرچ ساتھ لے کر جائے اور دوسروں پر بار ثابت نہ ہو۔ حج میں لڑنا جھگڑنا، بے حیائی اور ناشائستہ کلام کرنے کی ممانعت ہے جس سے یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ جب مجاہد میدانِ جہاد میں جائے تو ایسی باتوں سے پرہیز کرے تاکہ آپس میں اختلاف اور کوئی تنازع پیدا نہ ہونے پائے۔

(۵) جس طرح فریضۂ حج کو جہاد فی سبیل اللہ سے ایک خاص مناسبت ہے۔ اسی طرح میدانِ عرفات کا اجتماع میدانِ حشر کا نمونہ ہے لباسِ احرام کفن کے مشابہ ہے اور دراصل حج کا ایک اہم مقصد آخرت کی

یاد دہانی بھی ہے ۔ آخرت کی یاد سے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں انسان کو اپنی حیاتِ مستعار کی قدر معلوم ہوتی ہے ' اس کو بے کار لہو و لعب میں صرف کرنا بُرا جاننے لگتا ہے اور قوم کا ایک مفید فرد بن جاتا ہے ۔ اعمالِ صالحہ سے رغبت اور گناہوں اور بداخلاقیوں سے نفرت ہوتی ہے ۔ اس طرح ایک شریف اور مہذّب آدمی بن کر رہتا ہے ۔ باوجود طاقت و قوّت کے اپنی بیکسی اور درماندگی کا احساس کرنا اور تکبّر، غرور اور ظلم و فساد کے جذبات کی بیخکنی ہوتی ہے اور غریب طبقہ کا ہمدرد بن جاتا ہے ۔ اپنی ذاتی منفعت و آسائش کی بجائے قومی، رفاہ عام کے کاموں کی رغبت ہوتی ہے تا کہ دنیا میں اس کی یادگار باقی رہے، آنے والی نسلیں اس کو بھلائی سے یاد کریں، دُعائے خیر کریں کہ ثوابِ دارین حاصل ہو ۔ نیز یہ خیال آتا ہے کہ دُنیا فانی ہے، آخر مرنا ہے، تو پھر گھر پر پڑے پڑے مرنے سے کیا فائدہ ' اسلام کی حمایت اور اشاعتِ دین میں کیوں نہ جان دی جائے ۔ اور یہی مجاہد فی سبیل اللہ کی زندگی کا طُغرائے امتیاز ہے کہ خُدا کی راہ میں جان و مال صرف کر دیتا ہے ۔

(۶) حج میں اسلام کی عظمت و شوکت کے اظہار اور مسلمانوں کو اپنی قوت و سطوت دکھانے کا موقع ملتا ہے ۔ بحر و بر کی سیر و سیاحت، تجربہ و اکتسابِ معلوماتِ تجارت وغیرہ بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں ۔ دُنیا میں بادشاہوں کے درباروں ' فیلڈ مارشلوں کی فوجی

پریڈوں، انجمنوں کے سالانہ جلسوں، ایوان ہائے تجارت کی عالمگیر نمائشوں کے قیام سے جو اغراض وابستہ ہوتی ہیں، وہ سب مقاصدِ حج میں داخل اور حاصل ہیں۔

حِکم واسرارِ احکام } شریعتِ اسلامیہ کے سب کے سب احکام، مصالح، عبادتیں، فوائدِ دُنیوی و اُخروی پر مبنی ہیں۔ کیونکہ اُن کا مقرر کرنے والا خُدائے حکیم ہے اور "فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ" (خُدا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا)۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام احکام کی باریکیاں اور اسرار ہر شخص کی سمجھ میں آجائیں، یا جو حکمتیں علمائے متقدمین بنا گئے ہیں وہ جامع مانع ہوں۔ بعض احکام تو ایسے ہیں کہ اُن کے فوائد ہر شخص سمجھتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ اُن کو علمائے راسخین ہی سمجھ سکتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ اُن کے فوائد و حِکم بے شمار ہیں اور ہر شخص بقدرِ توفیق وقابلیت اُن میں سے چند باتوں کو سمجھ لیتا ہے اور اُس کے بعد آنے والے اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ عربی کا مشہور اور صحیح مقولہ ہے "کم ترک الاوّل للآخر" (اگلے لوگ پچھلوں کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں)۔ قرآن حکیم میں ہے:۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (۵۷ : ۲۱)	یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے عنایت کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

جو باتیں ایسی ہیں کہ اُن کے فوائد مخفی و دقیق ہوتے ہیں، اُن کو امور تعبدیہ کہا جاتا ہے۔ جیسے نماز کی تعداد و رکعات، روزوں کی تعداد، زکوٰۃ کا نصاب وغیرہ۔

مناسک حج بھی انہی اُمور تعبدیہ میں سے ہیں۔ لہٰذا اُن کے تمام مصالح اور حکمتیں خدائے تعالےٰ ہی کو معلوم ہیں یا جس کو خدائے تعالیٰ نے یہ علم عطا فرمایا ہو، مگر اُن کا یہاں درج کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ علمائے کرام نے اس باب میں بھی بے شمار اسرار و رموز ارقام فرمائے ہیں جنہیں خدا نے توفیق بخشی ہے وہ اُن کی تصنیفات سے استفادہ کرتے ہیں لیکن یہ بات ضروری ہے کہ بالفرض کسی عبادت یا کسی حکم شرعی کا کوئی فائدہ، کوئی حکمت بھی ہمارے ذہن میں نہ آئے، تو جب بھی ہم کو اُس کی تعمیل میں توقف نہ کرنا چاہیئے، بلکہ ہم کو اتنا سمجھ لینا کافی ہے: کہ یہ سب باتیں ہمارے ہی فائدہ کی ہیں اور خدائے تعالیٰ ہماری مصلحتوں کا ہم سے زیادہ واقف کار ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے اور وہ اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے۔ جس طرح کہ علاج کرتے وقت بیمار کو اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ یہ حکیم حاذق ہے اور میرا خیر خواہ۔ بیمار کے لئے ہر دوا کی ماہیت اور منافع معلوم کرنے ہی کے بعد نسخہ استعمال کرنا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ بعض حالتوں میں اپنی رائے کے تدخل سے نقصان کا اندیشہ ہے، اس لئے حکیم حاذق کی مصلحت ہر طرح سے اولیٰ اور مقدم ہے۔

اسلام کا رکن اعظم } حج اسلام کا ایک رکن اعظم ہے۔ نماز، روزہ صرف بدنی عبادتیں ہیں اور زکوٰۃ فقط مالی عبادت، مگر حج کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بدنی اور مالی دونوں طرح کی عبادتوں کا مجموعہ ہے اور اس حیثیت سے جہاد کے مشابہ اور اس کے ہم پلہ ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

الجھاد الصغیر والکبیر و الضعیف والمرأۃ الحج والعمرۃ	چھوٹے بچوں، بوڑھے اور ضعیف مردوں اور عورتوں کا جہاد، حج اور عمرہ ہے۔

یعنی تمہارا جہاد حج ہے۔

فرضیتِ حج } حج ہر مستطیع مسلمان پر عمر میں صرف ایک بار فرض ہے اور اس سے زیادہ کی توفیق ہو جائے تو نورٌ علیٰ نور کا مصداق ہے۔ فرضیتِ حج قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے:

وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا۔ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ۔ (۳: ۹۷)	اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ بھی ہے کہ خانہ کعبہ کا حج کریں، بشرطیکہ وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو، اور جو نہ مانے (تو اسی کا نقصان ہے۔ کیونکہ) خداوند کریم تو تمام عالم سے بے نیاز ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے مجمع میں خطبہ پڑھا اور فرمایا:

یا ایھا الناس قد فرض	لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے فریضہ حج

علیکم الحج فحجوا۔ (مسلم)	بجا لاؤ۔

ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا ہر سال؟ آپؐ خاموش رہے۔ اس نے تین بار یہی سوال دہرایا۔ پھر آپؐ نے فرمایا:

لو قلت نعم، لوجبت و لما استطعتم۔ (مسلم)	اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال کرنا پڑتا اور یہ تم سے نہ ہو سکتا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ:

لو جبت لم تعملوا بها و لم تستطیعوا والحج مرة فمن زاد فتطوع۔ (	اگر ہر سال حج کرنا پڑتا تو تم نہ کرتے اور کر بھی نہ سکتے۔ حج ایک بار فرض ہے، اس سے زیادہ جو کرے وہ مستحب ہے۔

ابو امامہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من لم یمنعه من الحج حاجة ظاهرة او سلطان جابر او مرض حابس فمات ولم یحج فلیمت ان شاء یهودیا وان شاء نصرانیا۔ (دارمی)	جس شخص کو کسی واقعی احتیاج نے یا کسی ظالم بادشاہ نے یا کسی سخت مرض نے نہیں روکا، اور وہ بغیر حج کئے مر گیا، تو اس کو اختیار ہے خواہ یہودی ہو کر مرے، خواہ نصرانی ہو کر۔

یعنی جب باوجود استطاعت کے اسلام کا ایک رکن اعظم ادا کرنے سے جی چراتا ہے، تو مسلمان رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ!

شرائطِ حج } فرضیتِ حج کے شرائط یہ ہیں : (۱) اسلام۔ (۲) عقل۔ (۳) بلوغ۔ (۴) امنِ طریق۔ (۵) استطاعت (زادِ راہ اور سواری)۔ (۶) صحت ضروری۔ (۷) عورتوں کے لئے محرم۔

اقسامِ حج } حج کرنے کے تین طریقے ہیں :
(۱) قِران۔ (۲) تمتّع۔ (۳) افراد۔

قِران کے معنی ہیں: حج و عمرہ کے لئے میقات سے ایک دفعہ ہی نیّت کرلینا۔
تمتّع اس کو کہتے ہیں کہ میقات سے تو صرف عمرہ کا احرام باندھے اور مکہ مکرمہ پہنچ کر طواف وسعی وغیرہ کرکے احرام کھول دے اور پھر مکہ مکرمہ سے حج کا احرام باندھے۔
افراد' یہ ہے کہ میقات ہی سے صرف حج کا احرام باندھے۔
علماء کا اختلاف ہے کہ قران افضل ہے یا تمتّع۔ قوی قول یہ ہے کہ جو ہدی اپنے ساتھ لے کر آئے' اس کے لئے قران افضل ہے اور جو ہدی نہ لائے' اس کے لئے تمتّع افضل ہے۔

ایامِ حج } عمرہ کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے' جس دن چاہو کرو۔ مگر اعمالِ حج کے اوقات معیّن ہیں۔ یعنی یوم الترویہ (آٹھویں ذالحجہ)۔ یوم عرفہ (۹۔ ذی الحجہ)۔ یوم النحر (۱۰۔ ذی الحجہ)۔ ایام تشریق (۱۱' ۱۲' ۱۳۔ ذی الحجہ)۔ احرامِ حج کے لئے بھی ایک زمانہ مقرر ہے۔ جو اشہرِ حج' کے نام سے موسوم ہے۔ یہ ماہِ شوّال' ذیقعدہ اور عشرۂ ذی الحج کے دن ہیں۔ ان ایام سے پہلے احرامِ حج باندھنا اکثر علما کے نزدیک مکروہ ہے

مقاماتِ حج } حج میں جن جگہوں پر حاجیوں کو اعمالِ حج بجا لانے ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) مکہ معظمہ، نو مشہور و معروف شہر ہے اور حج کا مقصودِ اعظم یعنی زیارتِ بیت اللہ، یہیں حاصل ہوتا ہے۔ نیز طواف اور سعی بھی یہیں ہوتی ہے۔

(۲) منیٰ، مکہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ حدِ حرم میں داخل ہے اور یہاں بہت سے مناسکِ حج ادا ہوتے ہیں۔ اس کا نام منیٰ اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہاں قربانیوں کا خون بہایا جاتا ہے۔ منیٰ کے لغوی معنی خون بہانے کے ہیں۔ اس کی حد جمرۃ العقبہ سے لے کر وادیٔ محسّر[1] تک ہے

(۳) وادیٔ محسّر، یہ حدِ حرم میں تو داخل ہے مگر مشاعر[2] میں سے نہیں ہے۔ اس وادی کا طول پانچ سو پینتالیس (۵۴۵) زرع ہے۔ یہ نہ منیٰ میں داخل ہے، نہ مزدلفہ میں، بلکہ دونوں کا برزخ ہے۔ یہاں سے جلد نکل جانا مسنون ہے

(۴) مزدلفہ[3]، یہ منیٰ اور عرفات کے درمیان تقریباً آدھے راستہ پر

---

[1] محسّر، حسر سے مشتق ہے، جس کے معنے تھکنے کے ہیں۔ یہاں اصحابِ فیل ہلاک ہوئے تھے اور اُن کے ہاتھی وغیرہ تھک کر بیٹھ گئے تھے۔ اس لئے یہ نام رکھا گیا۔ اہلِ مکہ اسے وادی النّار بھی کہتے ہیں۔

[2] مشاعر، مشعر کی جمع ہے۔ جن مقامات کا اعمالِ حج سے تعلق ہو، وہ مشعر کہلاتے ہیں۔

[3] مزدلفہ ازدلاف سے مشتق ہے جس کے معنی اجتماع و تقرب کے ہیں۔ یہاں سب حاجی جمع ہوتے ہیں، اس لئے یہ نام رکھا گیا۔ اس کا دوسرا نام جمع بھی ہے۔

واقع ہے۔ یہ حرم بھی ہے اور مشعر بھی۔ یہاں ۱۰۔ ذی الحجہ کی رات کو رہنا مناسکِ حج میں داخل ہے۔ اس کی حد ایک طرف وادیٔ محسّر سے ملی ہوئی ہے، دوسری طرف وادیٔ عرنہ ہے۔

(۵) وادیٔ عرنہ یا وادیٔ نمرہ: یہ حدِ حرم سے خارج ہے مگر عرفات میں بھی داخل نہیں ہے بلکہ عرفات اور مزدلفہ کے درمیان برزخ ہے۔ اس جگہ ۹۔ ذی الحجہ کو زوالِ آفتاب تک قیام کرنا پڑتا ہے۔

(۶) عرفات: یہ مکہ سے تقریباً ۱۵ میل دُور ہے اور حدِ حرم سے باہر ہے۔ اس جگہ کی حاضری حج کا رکنِ اعظم ہے۔ اگر وقت مقررہ پر کوئی یہاں نہ پہنچا تو اس کا حج نہیں ہُوا۔ اس کے حدودِ اربعہ یہ ہیں:
(۱) وادیٔ عرنہ (۲) قریہ عرفات (۳) جبالِ عرنہ (۴) جادۃ الشرق (مشرقی سڑک)۔

میقاتِ احرام } جیسا کہ پہلے صفحہ ۱۸ پر مفصل بیان ہو چکا ہے میقات پانچ ہیں، جو مکہ معظّمہ کے چاروں طرف واقع ہیں اور اُن اطراف سے آنے والے حاجیوں کے لئے احرام باندھنے کے مقام ہیں: (۱) ذوالحلیفہ، (۲) جحفہ، (۳) قرن منازل، (۴) ذاتِ عرق، (۵) یلملم۔

مناسکِ حج } حج کے مناسک یہ ہیں:
(۱) احرام (۲) طوافُ القدوم (۳) سعی (۴) آٹھویں ذی الحجہ کے دن اور نویں کی رات کو منیٰ کا قیام (۵) وقوفِ عرفات (۶)

مزدلفہ میں شب باشی (۷) رمی الجمار (۸) حلق یا تقصیر (۹) طواف الافاضہ (۱۰) ایامِ تشریق میں منیٰ میں شب باشی (۱۱) طوافِ وداع (۱۲) قربانی (قارن اور متمتع پر)۔

ارکانِ حج } مناسکِ مذکورہ بالا میں سے تین چیزیں بالاتفاق ارکانِ حج ہیں۔ ان میں سے اگر کوئی چیز رہ جائے تو حج نہیں ہوتا:

(۱) احرام (۲) وقوفِ عرفات (۳) طواف الافاضہ۔

جمہور علماء کے نزدیک سعی بھی حج کا ایک رکن ہے مگر بعض علماء کے ہاں رکن نہیں ہے، صرف واجب ہے۔

ممنوعاتِ حج[1] } حالتِ احرام میں حسبِ ذیل باتیں منع ہیں:

(۱) رفث، جماع و متعلقاتِ جماع۔

(۲) فسوق، تمام گناہ، فحش باتیں اور گالی گلوچ۔

(۳) جدال، لڑائی جھگڑا۔ (۴) صید البر، خشکی کا شکار کرنا۔

(۵) حلق و تقصیر، سر منڈانا یا بال کترانا۔ (۶) نکاح کرنا۔

(۷) نکاح کرانا۔ (۸) نکاح کا پیغام دینا۔ (۹) خوشبو لگانا۔

(۱۰) ورس (کمیلہ) یا زعفران سے رنگا ہوا کپڑا پہننا۔

---

[1] ہم نے صرف ان باتوں کا بیان کیا ہے جن کی ممانعت قرآن کریم یا حدیث شریف میں صراحتہً آئی ہے۔ ان کے علاوہ چند چیزیں ایسی بھی ہیں جو اجماعاً یا قیاساً ان سے ملحق ہیں مثلاً ناخن کتروانا، خوشبو سونگھنا وغیرہ۔ ان کی تفصیل کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔

(۱۱) شکاری کی کسی طرح کی مدد کرنا یا شکار کا سُراغ و پتہ بتانا۔
(۱۲) جو شکار مُحرِم نے کیا ہو یا اس میں کسی قسم کی مدد دی ہو، یا اُس کے لئے کیا گیا ہو، اس کا کھانا۔
(۱۳) جو پرندے شکار کئے جاتے ہیں، اُن کے انڈے کھانا۔

خاص مردوں کے لئے :-

(۱۴) سر ڈھانکنا (۱۵) منہ ڈھانکنا (۱۶) کُرتہ پہننا (۱۷) پاجامہ پہننا۔
(۱۸) عمامہ پہننا (۱۹) برنس پہننا (۲۰) خفین پہننا۔

خاص عورتوں کے لئے :-

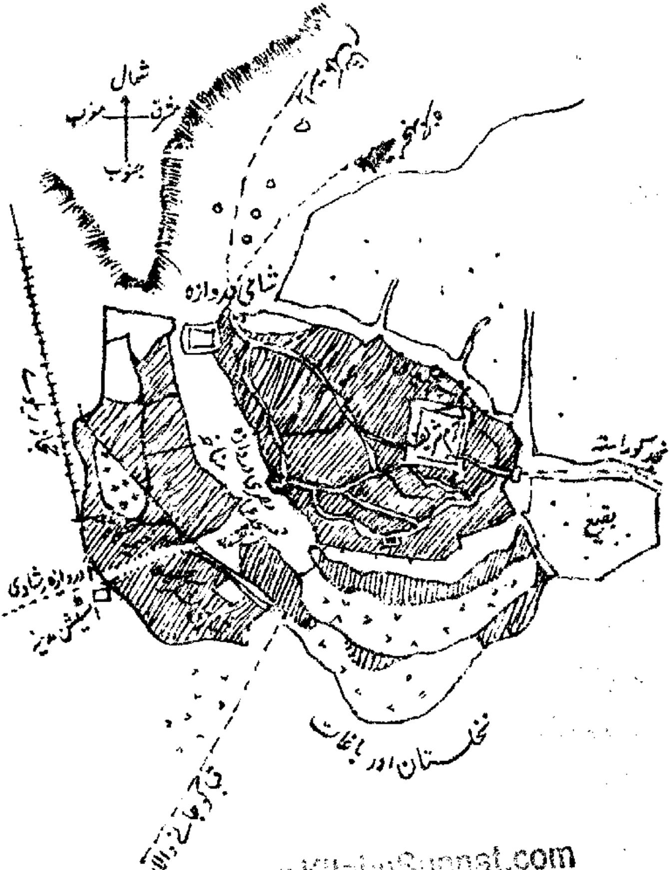
(۲۱) نقاب ڈالنا، نقاب کے علاوہ کسی اور چیز سے منہ چھپانا منع نہیں۔
(۲۲) دستانے پہننا۔

طریق حج ہر مسلمان پر واجب ہے کہ ہر معاملہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ تلاش کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔	تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی سیرت بہترین نمونہ ہے۔

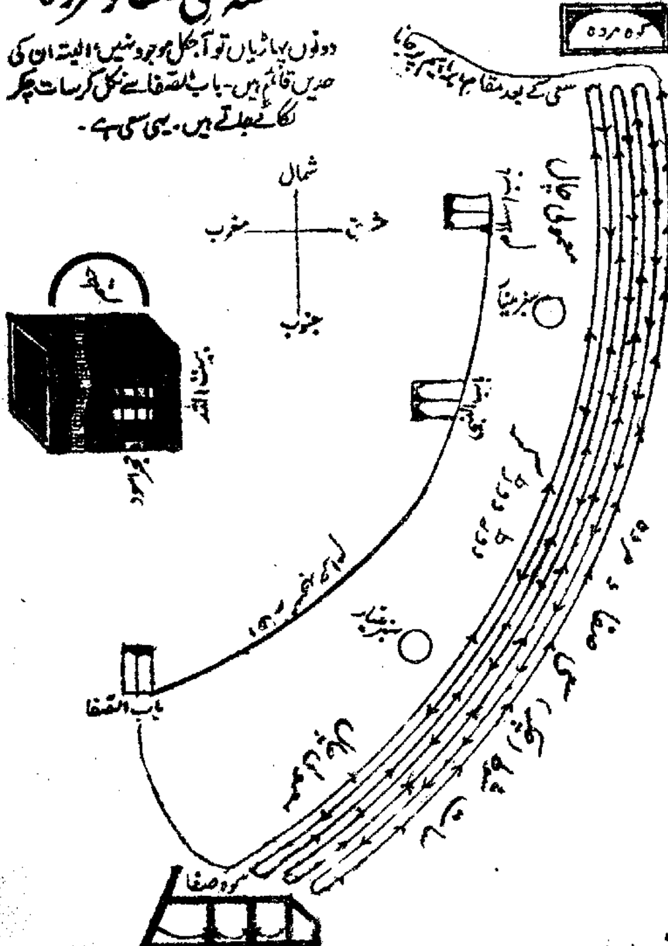
اس فرمان کے بموجب مسائل حج معلوم کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حج مبارک کے صحیح حالات معلوم کئے جائیں اور ان کے مطابق عمل کیا جائے۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے کتاب ہذا باب ۳ کا ملاحظہ فرمائیں جس میں آپ کے حجۃ الوداع کی مکمل روئداد بیان کی گئی ہے۔

نقشہ مدینہ منورہ



نقشہ سعی صفا ومروہ

دونوں پہاڑیاں تو آجکل موجود نہیں، البتہ ان کی حدیں قائم ہیں۔ باب الصفا سے نکل کر سات چکر لگائے جاتے ہیں۔ یہی سعی ہے۔



نوٹ: صفا سے مروہ تک ایک شوط کہلاتا ہے اور پھر مروہ سے صفا تک دوسرا اسی طرح تیسرا، چوتھا، پانچواں، چھٹا اور ساتواں شوط۔ جیسا کہ نقشہ میں ظاہر ہے۔

سفر جدّہ تا مکّہ معظمہ } جدّہ اور مکہ معظمہ کے درمیان مندرجہ ذیل مقامات راستہ میں آتے ہیں :-

(۱) اُم السّلام، جو جدّہ سے موٹر پر آدھ گھنٹہ کے سفر کے بعد آتا ہے۔ یہاں سرکاری ملازمین کی قیامگاہ ہے۔ وہ موٹروں کی نگرانی کے لئے وہاں متعیّن ہیں۔ قہوہ خانہ اور ٹیلیفون کا بھی انتظام ہے۔

(۲) بحرہ، اُم السّلام سے تھوڑے فاصلے پر ایک بڑا گاؤں آتا ہے جس کا نام بحرہ ہے، اور وہ نہایت وسیع میدان میں واقع ہے گاؤں کے بیچ میں سے موٹروں کے گزرنے کے لئے کشادہ اور چوڑی سڑک نکالی گئی ہے۔ یہ مقام ٹیلیفون کا مرکز ہے۔ ہوٹل، شفا خانہ اور پولیس کی چوکی بھی ہے۔ کھانے پینے کی دکانیں بکثرت موجود ہیں۔

(۳) شمیسی، بحرہ سے تھوڑی دُور وہ مسجد آتی ہے، جہاں رسول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعۃ الرّضوان ہوئی تھی۔ اس کا نام حدیبیہ بھی ہے۔ اس جگہ موٹروں کی نگرانی کے لئے سرکاری ملازم رہتا ہے۔ ہوٹل، قہوہ خانہ اور ٹیلیفون بھی موجود ہے۔

(۴) حدودِ حرم، شمیسی کے مقام سے تھوڑی مسافت پر حدِ حرم شروع ہو جاتی ہے، جہاں کا شکار کرنا اور درخت اکھاڑنا ناجائز ہے۔

حدودِ حرم کی علامت کے لئے دو بلند پختہ ستون نصب کیے ہوئے ہیں، جو اعلام کے نام سے مشہور ہیں۔ حدودِ حرم کے اندر داخل ہو جائیں تو لبّیک اور دعائے مغفرت کے الفاظ زبان پر جاری ساری ہونے چاہئیں اور نہایت تضرع اور زاری سے رجوع الی اللہ ہو جائیں۔ بس آدھ گھنٹہ میں آپ مکّہ معظمہ پہنچ جائیں گے۔ مکّہ میں داخل ہونے پر طوافِ قدوم سنّت، اور وہاں سے روانگی پر طوافِ وداع واجب ہے۔

مکّہ سے مدینہ منوّرہ کو کئی راستے جاتے ہیں مثلاً

(۱) ایک "طریق سلطانی" ہے، جو زیادہ شاداب اور بارونق ہے۔ یہ باب العمرہ سے نکل کر شمال مغرب کی طرف جاتا اور وادیٔ فاطمہ، عسفان اور خلیص کے راستہ رابغ پہنچ جاتا ہے۔ پھر رابغ، مستورہ، ابیار بنی حصانی، شفیہ، المسیجید، الفریش اور ابیارِ علی سے گزر کر مدینہ منورہ پہنچ جاتا ہے۔

(۲) اسی طرح "طریق الفرعی" اور "طریق الغابر" دو راستے رابغ سے نکلتے ہیں پہلا وادیٔ حدشان، نقر القار، بئرِ رضوان، ابو خیاع یا ام خباع، الرّیاض یا وادیٔ ربان، الغدیر، وادیٔ اعظم، بئرِ اعاشی، ابیار علی وغیرہ مقامات کے راستے مدینہ منورہ جاتا ہے۔

دوسرا راستہ، رابغ، مستورہ اور غابر سے گزرتا ہوا شمال کی جانب جاتا ہے۔ تمام راستوں سے اس راستہ کی مسافت کم ہے، مگر

بہت دشوار گزار ہے۔ کیونکہ غابر سے ایک بلند سر بفلک پہاڑ کی چٹان پر چڑھ کر ایک عمیق اور تنگ و تاریک غار میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ جہاں سے صرف ایک ہی اونٹ گزر سکتا ہے شتر سواروں کے لئے بیحد خطرہ کا موجب ہوتا ہے۔ اس چٹان کی چڑھائی پر ۶ گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔ اہل مدینہ عام طور پر اسی راستے حج کو جاتے اور اسے آسان ترین راستہ خیال کرتے تھے۔

سفر جدّہ تا مدینہ منوّرہ } جدّہ اور مدینہ منوّرہ کے درمیان مندرجۂ ذیل منزلوں سے گزر ہوگا، جہاں ہر مقام پر قہوہ خانے موجود ہیں۔ ان میں تمام کھانے پینے کی چیزیں دستیاب ہوسکتی ہیں۔ ابیار بنی حصانی اور مسیجید میں حجاج کے آرام کے لئے ہوٹل بھی قائم ہیں۔ رابغ میں پولیس کی چوکی اور تارگھر بھی ہے :۔

(۱) تول۔ (۲) ذھبان۔ (۳) رابغ۔ (۴) مستورہ۔ (۵) ابیار بنی حصانی۔ (۶) شفیہ۔ (۷) المسیجید۔ (۸) الفریش۔ (۹) ابیار علی یعنی ذوالحلیفہ۔

سفر مکّہ تا مدینہ منوّرہ } مکہ معظمہ سے مدینہ منوّرہ تین سو میل دُور ہے اور بذریعہ موٹر لاری ۱۶ گھنٹہ میں طے ہوسکتا ہے۔ یہ سفر خواہ اونٹ، موٹر یا لاری پر طے کیا جائے، حاجیوں کی اپنی مرضی و پسند پر موقوف ہے۔ کرایہ جات حکومت کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں، اگرچہ ہر سال کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

(۳) طریق الشرقی، یہ راستہ باب معلیٰ سے نکل کر بیاضیہ کی طرف جاتا ہے۔ اس کے بعد شمال کی طرف ہوتا ہُوا منیٰ سے گزر کر مشرق کو جاتا ہے اور بئر البارود، وادی اللیمون، الجفائر، برکۃ سمرۃ، برکۃ المسلح، الجلیط، سفینۃ السویرجیہ، الحجیریہ، عسرابہ اور الغدیر سے ہوتا ہُوا مدینہ پہنچتا ہے۔

لیکن آج کل چونکہ موٹر لاری کا زیادہ رواج ہے، بیرونی حجاج عموماً پہلے ہی راستے آتے جاتے ہیں۔ البتہ مقامی حاجیوں کے قافلے باقی ہر سہ راستوں سے بھی آجا سکتے ہیں۔

مقام ابن تیمیہؒ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے جلالت منصب کے متعلق تو اس قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی مشہور تصنیف "تذکرہ" کے صفحہ ۱۳۵ تا ۲۳۲ میں حضرت امام کے مناقب و فضائل کا تذکرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے:

"اس عہد کے صرف ایسے علماءِ کبار کی ایک فہرست طیار کی جائے جو اپنے تبحّر اور کمالِ علم و کمال کی بنا پر ائمۂ عصر و اساطینِ علوم تسلیم کیے گئے، تو اُن کی تعداد سَو سے بھی یقیناً متجاوز ہو گی ... لیکن وہ سب یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ "امام ابن تیمیہؒ کا سا جامع ہماری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا اور اُن کا مقام اس سے کہیں بلند ہے کہ ہم جیسے اُن کی تعریف و توصیف کریں!"

حافظ ذہبی اپنے معجم شیوخ میں جب اس نادرۃ الارض و اعجوبۃ الدہر کے اوصاف و مدائح لکھتے لکھتے تھک گئے اور وہ ختم نہ ہوئے تو بالآخر یہ کہہ کر خاموش ہو جانا پڑا کہ:

"ان کا مقام اس سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے کہ مجھ جیسا شخص اُن کی سیرت و فضیلت بیان کرے۔ قسم خدا کی، اگر میں خانہ کعبہ میں عین رکن و مقام کے درمیان کھڑے ہو کر قسم کھاؤں کہ نہ تو میری آنکھوں نے اُن کا مثال دیکھا اور نہ خود انہوں نے اپنا ہمتا۔ تو میری قسم سچی ہو گی اور میرے لئے کفارہ یمین نہیں!

۵

تقی الدین اضحی بحر علم | یجیب السائلین بلا قنوط
احاط بکل علم فیہ نفع | فقل ماشئت فی البحر المحیط

پھر لکھتے ہیں:

"اسی کمالِ تشبہ و تخلق بصفاتِ نبوت اور بے میل و بے داغ اتباع و تفانیِ سنت نے اُن کو اعمالِ نبوت کی وراثتِ کاملہ و نیابتِ حقہ کے منصب ارفع و اعلیٰ پر پہنچا دیا تھا!"

اے گل بہ تو خورسندم، تو بوئے کسے داری!

حافظ ابوالعباس عماد الدین واسطی الخزامی صاحب البلغۃ فی الفقہ ایک رسالہ میں لکھتے ہیں:

"خدا کی قسم! پھر کہتا ہوں کہ خدا کی قسم!! آسمان کے نیچے آج

تمہارے شیخ ابن تیمیہؒ کا نظیر و مثیل کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ نہ علم میں نہ عمل میں، نہ حال میں نہ اتباع حق اور نہ شیوۂ کرم و کمالِ حلم میں، اور نہ اللہ اور اس کے شعائر کے حفظ و قیام کی راہ میں۔ اور خدا کی قسم! ہم نے اپنے زمانہ میں کسی کو نہ دیکھا، جس کے اقوال و افعال سے نبوّتِ محمّدی کے انوار اور ان کی سنّت کی روشنیاں چھن چھن کر نکلتی ہوں، اِلّا ابنِ تیمیہؒ۔ اُن کو دیکھ کر دل بے اختیار بول اُٹھتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی اتباع اس کو کہتے ہیں اور ایسا ہوتا ہے!"

غرض اس کتاب میں ایک رسالہ تو انہی حضرت امام ابن تیمیہؒ کی تالیف ہے، جو اُنہوں نے اپنے زمانہ کے بہت سے مسلمانوں کی فرمائش پر قلمبند کیا تھا۔ اس میں حج بیت اللہ ادا کرنے کا مسنون طریقہ بیان کیا ہے جس کی حاجیوں کو اکثر ضرورت رہتی ہے۔

اسی طرح دوسرا رسالہ حافظ محمد بن اسمٰعیل مصنّف سبل السّلام شرح بلوغ المرام کی تصنیف ہے جو امیر الصنعانی کے نام سے مشہور ہیں۔

امیر صنعانی کا مرتبہ
۱۰۵۹ھ - ۱۱۸۲ھ

امیر صنعانی کے متعلق امام شوکانیؒ اپنی کتاب "البدر الطالع" میں لکھتے ہیں:

"آپ کی ولادت کحلان کے مقام پر ہوئی، جو اُن کے باپ دادا کی جائے سکونت تھی۔ لیکن بعد میں اُن کے والد نے صنعاء کو اپنا وطن بنا لیا، جو ملکِ یمن کا پایۂ تخت تھا۔ ابتدائی تعلیم

وہیں حاصل کی۔ بعد میں حرمین شریفین چلے گئے۔ علمِ حدیث میں اس قدر مہارتِ تامہ پیدا کی کہ اپنے اماثل واقران سے گوئے سبقت لے گئے۔ وطن کو واپس ہوئے تو صنعاء میں رئیس العلماء شمار ہونے لگے۔ مسائلِ شرعیہ کی تحقیق وتدقیق میں مجتہدانہ طرز پر دلیل شرعی کے قائل تھے۔ جب تک کسی بات کو کتاب وسنّت سے تائید حاصل نہ ہو، قبول کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوتے۔ جن فقہی مسائل کے متعلق انہیں کوئی دلیل شرعی ملی، اُن کو قابلِ پذیرائی نہ سمجھا۔ اس پر لوگوں میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا اور سب لوگ آپ کے مخالف ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں دشمنوں کی سازشوں سے محفوظ رکھا اور وہ برابر تدریس وتصنیف کے ذریعے حق کی نشر واشاعت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ملکِ یمن کے والی خلیفہ منصور نے آپ کو جامع صنعاء کا امام وخطیب مقرر کر دیا۔ بہرکیف بہت سے لوگ آپ کے عقیدت مند ہو گئے۔ آپ سے کتبِ حدیث پڑھتے اور آپ کے مجتہدات کو قدر اور تحسین کی نگاہ سے دیکھتے۔

سُبل السلام اُن کی مشہور تصنیف ہے، جس کو انہوں نے علامہ مغربی کی "شرح البدر التمام" سے اختصار کر کے لکھا ہے اور کئی ایک قیمتی اضافے کئے ہیں۔ ابن دقیق العید کی شرح العمدہ پر ایک نہایت عمدہ حاشیہ لکھا ہے۔ والحمد للہ

ختم شد